مفتی راشد حسین ندوی

سوال جواب

س: زید کی پانچ بچیاں ہیں اور اکرم کے پانچ لڑکے ہیں، اکرم کی بیوی نے زید کی بڑی لڑکی کو دودھ پلا دیا اب مسئلہ یہ ہے کہ اکرم کے لڑکے کا نکاح زید کی اس لڑکی سے (جس نے دودھ پیا ہے) ہو سکتا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ اکرم کے لڑکوں سے زید کی اور باقی لڑکیوں کا نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟

ج: صورت مسئولہ میں اکرم کی بیوی نے جس لڑکی کو دودھ پلایا ہے اس کا نکاح اکرم کے کسی لڑکے سے نہیں ہو سکتا البتہ اس دودھ پینے والی بچی کے علاوہ زید کی دوسری لڑکیوں کا نکاح اکرم کے لڑکوں سے ہو سکتا ہے۔

(ہندیہ ۱-۳۴۳، شرح وقایہ ۲/۶)

س: ہمارے علاقہ میں ایک عورت نہ معلوم کہاں سے آئی اس نے رات کو ایک درخت کے نیچے قیام کیا اسی رات اس کا انتقال ہو گیا اس میں مسلم یا غیر مسلم ہونے کی کوئی بھی علامت نہیں ہے ایسی عورت کا کفن دفن مسلمان کی طرح کیا جائے یا نہیں؟

ج: صورت مسئولہ میں اگر مسلمان ہونے کی کوئی بھی علامت نہیں ہے تو مسنون طریقہ کی رعایت کیے بغیر اس کو نہلا کر کسی جگہ دفن کر دیا جائے اور اگر کسی قرینہ سے دل گواہی دیتا ہو کہ مسلمان ہوگی تو نماز پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا جائیگا۔

(شامی ۱/۶۳۰)

س: آج کل بہت سے لوگ چپل یا جوتے پہنے پہنے نماز جنازہ پڑھتے ہیں اور بعض لوگ چپل سے پیر نکال کر اس کے اوپر کھڑے ہو جاتے ہیں اس طرح نماز میں کوئی خلل تو نہیں واقع ہوتا۔

ج: پہلی صورت میں نماز صحیح ہونے کے لیے جوتے اور جگہ دونوں کی اور دوسری صورت میں جوتے کی طہارت شرط ہے۔

(البحر الرائق ۲/۱۷۹)

س: فرض کے قعدہ اولیٰ میں التحیات کے بعد سہواً درود شریف کی کتنی مقدار پڑھنے سے سجدہ سہو لازم ہو جاتا ہے۔

ج: صورت مسئولہ میں "اللھم صل علی محمد" تک پڑھ لینے سے سجدہ سہو واجب ہو جائے گا۔

(الدر المختار ۱-۵۴۸)

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

LW/NP 58

RIZWAN

R.N. 2416 /57

172/54 Mohammad Ali Lane Gwynne Road Lucknow-226 01

Ph. 270406

حدیث کی مشہور کتاب

ریاض الصالحین

کا سلیس و شگفتہ اردو ترجمہ

جس میں وہ روایات ہیں جو فضائل اعمال، اخلاق، اصلاح و تہذیب اور زندگی کے روزمرہ احکام و مسائل سے تعلق رکھتی ہیں

مقدمہ

علامہ سید سلیمان ندوی رح

زادِ سفر

مترجمہ

محترمہ امۃ اللہ تسنیم (مرحومہ)

یہ کتاب

بہترین مصلح مربی اور مرشد کا کام کرتی ہے

ہر عنوان کے نیچے قرآن مجید کی آیات مع ترجمہ پھر احادیث ہیں ذیل عنوانات جگہ جگہ موضوع کی ہدایت کرتے ہیں۔ بہترین کتابت فوٹو آفسیٹ کی طباعت

قیمت حصہ اول ۔/ روپے۔ قیمت حصہ دوم روپے

مکتبہ اسلام ۵۴/۱۷۲ محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

بیادگار حضرت مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ

خواتین کا ترجمان

ماہنامہ

رضوان

لکھنؤ

جلد ۴۴ | شمارہ نمبر ۶ | جون ۲۰۰۰ء

Ph. 270406

ایڈیٹر:— محمد حمزہ حسنی

معاونین:— اُمامہ حسنی ❊ میمونہ حسنی

اسحٰق حسینی ندوی ❊ جعفر مسعود حسنی ندوی

سالانہ چندہ

★ برائے ہندوستان:— ۹۰ روپے

★ غیر ملکی ہوائی ڈاک:— ۲۵ امریکی ڈالر

★ فی شمارہ:— ۸ روپے

نوٹ: ڈرافٹ پر 'RIZWAN MONTHLY' لکھیں۔

ماہنامہ 'رضوان' ۱۴۲/۵۴ محمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر محمد حمزہ حسنی نے مولانا محمد ثانی حسنی فاؤنڈیشن کے لئے نظامی آفسٹ پریس میں طبع کرا کر دفتر رضوان، محمد علی لین سے شائع کیا

اپنی بہنوں سے

مدیر

بچّیوں کی تربیت و تعلیم کے سلسلہ میں دستکاری کی طرف توجہ دلانا بہت ضروری ہے۔ اس زمانہ میں جب کہ تعلیم کا چرچا بہت ہے اور ہر جگہ ہر قسم کے لوگ خواہ بچے ہوں یا بچیاں تعلیم حاصل کرنے کی فکر میں ہیں۔ سیکڑوں مدرسے کھلے ہیں کالج اور اسکول حکومت کی سرپرستی میں چلائے جا رہے ہیں اور بہت سی جگہوں پر غیری تعلیم کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ ایسے زمانہ میں صرف علم پر بھروسہ کرنا اور اس سے پیٹ بھرنے یا تن ڈھانکنے کی کوشش کرنا اور اسی پر اپنی زندگی منحصر جاننا خام خیالی ہے۔ علم کا حاصل کرنا اپنی جگہ اہم ہے۔

بچوں اور بچّیوں کی دینی تعلیم کی فکر بہت ضروری ہے۔ ہر ماں باپ اور سرپرست پر لازم ہے کہ وہ اپنے بچّوں کو دینی تعلیم سے غافل نہ رکھیں کیونکہ صرف اسی تعلیم سے اخلاق، تمیز، شعور اور دینی احساس پیدا ہو سکتا ہے اگر آپ کو یہ خواہش ہے کہ آپ کے بچّے بچیاں مسلمان رہ سکیں اور مہذب و باتمیز بنیں تو ان کو قرآن و حدیث کی تعلیم دلائیں

اپنی بہنوں سے — مدیر
علم ایک دولت ہے — ڈاکٹر خالد علوی
لیڈی بارنس — عبد الغنی فاروق
۴ — کتاب ہدایت — مولانا محمد منظور نعمانی
۲۲ — بدنگاہی سے بچیئے — ن ج بنت عبد الاکبر
۴۰ — سوال جواب — مفتی راشد حسین
۶ — حدیث کی روشنی — امۃ اللہ تسنیم
۲۴ — قرآن کریم میں شراب کی حرمت — مولانا محمد مظہر بقا
۸ — دین کی صحیح سمجھ — مولانا ابو الحسن علی ندوی
۳۱ — امام محمد بن ادریس شافعی — محمد اجتبا ندوی
۱۴ — قرآن مجید کا اعجاز — مولانا محمد اشرف
۳۴ — مصائب کی یورش — منور سلطان

مولانا محمد منظور نعمانی

قرآنی خطبات و مواعظ

دین حق کے بنیادی احکام اور نصائح

سورہ انعام میں ارشاد ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝

(الانعام ع-۱۸)

اے پیغمبر! ان سے کہیے! آؤ میں تمھیں سناؤں تمھارے پروردگار نے کیا کیا تم پر حرام کیا ہے (اور اس نے کیا کیا خاص پابندیاں تم پر لگائی ہیں سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم اس کا یہ ہے) کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (ہر قسم کے شرک سے بچو) اور (اس کے بعد دوسرا حکم اس کا یہ ہے کہ) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اور افلاس کی وجہ سے اپنے پیدا ہونے والے بچوں کو ہلاک نہ کر ڈالو ہم تمھیں بھی رزق دیتے ہیں اور انھیں بھی دیں گے۔ اور بے شرمی و بے حیائی کی باتوں کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ خفیہ ہوں یا علانیہ اور کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ نے حرام ٹھہرایا ہے مگر یہ کہ کسی حق کی بنا پر کسی کو قتل کیا جائے (جیسے مثلاً قصاص میں قاتل کو قتل کیا جاتا ہے) یہ وہ باتیں ہیں جن کا تمھیں اللہ نے حکم دیا ہے شاید کہ تم سمجھ بوجھ کا یہ رویہ اختیار کرو اور (اس کا حکم ہے کہ) یتیموں کے مال کے قریب نہ جاؤ (اور ان کے مال کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ) الا یہ کہ ان کے فائدے کے لیے ان کے مال میں کوئی تصرف کرنا ضروری ہو تو (اچھے طریقے سے کر سکتے ہو (وہ بھی) اس وقت تک کہ یتیم اپنے سن رشد کو پہنچ جائے۔ اور انصاف و دیانت کے ساتھ ناپ تول پوری کیا کرو ہم آدمی پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتے ہیں جتنی اس کے امکان میں ہو۔ اور جب بات کہو تو انصاف کی اور خدا لگتی کہو اگرچہ فریق معاملہ تمھارا کوئی عزیز و قریب

ہی ہو۔ اور اللہ کے احکام کی پوری پوری فرمانبرداری کرو (اس کے عہد کو پورا کرو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ نے تمھیں خاص طور پر حکم دیا ہے امید ہے کہ تم نصیحت پکڑو گے۔

اللہ کی بات ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا انجام

سورۂ رعد کی یہ آیتیں پڑھیے اور فیصلہ کیجیے کہ آپ کو کس راستہ پر چلنا ہے اور مذکورہ ذیل دو فریقوں میں سے کس فریق کے ساتھ اپنے کو شامل کرنا ہے:

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ۭ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ سُوْۗءُ الْحِسَابِ ۙ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُوْنَ سُوْۗءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاۗءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَاۗىِٕهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ ۭ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ۝ وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۙ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْۗءُ الدَّارِ ۝

(الرعد ع-۲-۳)

چند بندوں نے اپنے پروردگار کی بات مانی اور دعوت ایمانی اور پیغام ربانی کو قبول کیا ان کے لیے بڑی خوش انجامی ہے اور جنھوں نے قبول نہیں کیا (ان کے لیے بڑا برا انجام ہے ان کا حال وہاں یہ ہوگا کہ) اگر بالفرض ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو ساری دنیا میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ اپنی خلاصی کے لیے بطور فدیہ کے اس سب کو دے ڈالیں گے ان کے واسطے بڑا سخت حساب ہے، اور دوزخ ان کا (آخری اور دائمی) ٹھکانہ ہے اور وہ بڑی بری قرارگاہ ہے۔

(اے پیغمبر!) جس (خوش نصیب بندہ) کو اس حقیقت کا علم و یقین نصیب ہے کہ جو کچھ تم پر تمھارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے، کیا وہ اس (بدبخت شخص) کی طرح اور (انجام میں) اس جیسا ہو سکتا ہے جو اس حقیقت سے اندھا ہے (ظاہر ہے کہ ان دونوں کا انجام ایک نہیں ہو سکتا) نصیحت تو بس صحیح عقل و بصیرت رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں۔ جو بندے اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں اور عہد شکنی نہیں کرتے اور جو ان روابط اور تعلقات کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے مالک سے ڈرتے ہیں اور حساب و انجام کی برائی کا اندیشہ رکھتے ہیں اور نماز اہتمام سے ادا کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ (نیکی کی راہوں میں) اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتے ہیں

(باقی صفحہ ۱۶ پر)

حدیث کی روشنی

امۃ اللہ تسنیم

نیکی کا حکم اور برائی کی ممانعت

راستہ کا حق

حضرت ابو سعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم راستہ میں بیٹھنے سے بچو۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ یہ تو ہمارے لیے ضروری ہے آپ نے فرمایا اگر تمہارے لیے یہ مجلسیں ضروری ہیں تو راستہ کو اس کا حق دو۔ انھوں نے کہا راستہ کا کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا نگاہیں نیچی رکھنا، تکلیف دہ چیز کا راستہ سے ہٹا دینا سلام کا جواب دینا اور برائی سے منع کرنا۔

(بخاری مسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلاف شرع کام نہ دیکھ سکنا

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے کی انگوٹھی ایک آدمی کے ہاتھ میں دیکھی تو اس کی انگلی سے نکال کر پھینک دیا اور فرمایا بعض لوگ ارادۃً آگ کے انگارے اپنے ہاتھ میں رکھتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد لوگوں نے اس شخص سے کہا کہ اپنی انگوٹھی لے اور اس سے دوسرے فائدے اٹھا۔ کہا قسم خدا کی میں اس کو کبھی نہیں لے سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس کو پھینک چکے ہیں۔

ظالم حاکم کو نصیحت

حضرت حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ عائذ بن عمر عبید اللہ بن زیاد کے پاس آئے اور کہا اے عزیز میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ بُرے حاکم وہ ظالم ہیں جو لوگوں کو پائمال کر دیں، پس تم اس سے بچو ایسا نہ ہو کہ تم بھی اُن میں سے ہو۔ عبید اللہؓ نے کہا بیٹھئے بھی آپ تو صحابہ کے چوکر ہیں کہا کیا ان کا بھی چوکر تھا چوکر تو ان کے بعد ہوا ہے اور دوسروں میں ہے[1] (مسلم)

برائی سے نہ روکنے کا وبال

حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو، ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب بھیجے اور پھر تم اس کو پکارو اور وہ تمہاری پکار نہ سنے۔ (ترمذی)

افضل جہاد

حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل جہاد جابر سلطان کے منہ پر انصاف کی بات کہنا ہے۔ (ابو داؤد۔ ترمذی)

حضرت طارق بن شہاب البجلیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک آدمی نے ایسے وقت میں سوال کیا کہ آپ رکاب پر پاؤں رکھ چکے تھے پوچھا یا رسول اللہ کون سا جہاد افضل ہے فرمایا انصاف کی بات سرکش بادشاہ کے منہ پر کہنا (نسائی)

بنی اسرائیل کی پہلی خرابی

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی خرابی جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوئی وہ یہ تھی کہ کوئی کسی برے آدمی سے ملتا اور کہتا کہ اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو چھوڑ دو تو یہ تمہارے لیے جائز نہیں پھر جب دوسرے دن ملتا اور اس کو اسی حالت میں پاتا تو پھر اس کو نہ روکتا اور اس کا ہم پیالہ ہو جاتا۔ پس جب وہ یہ کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو یکساں کر دیا پھر فرمایا

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

(مائدہ-۱۱)

ترجمہ: بنی اسرائیل کے ان لوگوں پر لعنت کی گئی جنھوں نے کفر کیا حضرت داؤدؑ اور حضرت عیسیٰؑ کی زبان پر اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے بڑھنے والے تھے ایک دوسرے کو برائی سے نہیں روکتے تھے جو انھوں نے کی بری بات تھی جو وہ کرتے تھے، تم ان میں بہت کو دیکھتے ہو کہ وہ ان لوگوں کی سرپرستی کرتے ہیں جنھوں نے کفر کیا۔ بری بات ہے جو ان کے نفسوں نے ان کے لیے بھیجا۔ اللہ ان پر ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اگر وہ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو ان کی طرف اتارا گیا ہے اس پر ایمان لے آتے تو ان کو دوست نہ بناتے لیکن ان میں بہت سے فاسق ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا میں تم کو تاکید کرتا ہوں کہ تم ان کو ضرور نیکی کا حکم دو اور برائی سے روکو اور ظالموں کے ہاتھ پکڑ لو، ان کو زبردستی حق پر روکو اور ان کو حق پر مجبور کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے دلوں کو یکساں کر دے گا اور تم پر لعنت کرے گا جیسے ان پر کی۔

(ابو داؤد۔ ترمذی)

اپنا راہ راست پر ہونا کافی نہیں

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا اے لوگو تم اس آیت کو پڑھتے ہو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۭ

ترجمہ: اے ایمان والو تم اپنی فکر کرو تم کو نقصان نہ پہنچائے گا جو گمراہ ہو جبکہ تم ہدایت پا چکے ہو (مائدہ ع ۱۴)

اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب لوگ ظلم کرتے دیکھیں تو ان کے ہاتھ پکڑ لیں ورنہ قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کو عام کر دے (ترمذی نسائی)

دین کی صحیح سمجھ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی (رح)

ایک نعمت ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بیش بہا نعمتیں دی ہیں ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ وہ اپنے تجربوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اگر اس کو راستہ چلتے ٹھوکر لگ جاتی ہے تو وہ جھک کر دیکھنے لگتا ہے کہ اس کو کس چیز سے ٹھوکر لگی، وہ راستے کے اس پتھر کو ہٹا دیتا ہے یا اس سے بچ کر چلتا ہے اور اگر اس راستے میں ایسے ہی پتھر پڑے ہوئے ہیں یا پیچ وخم ہیں تو وہ دوسرا صاف سیدھا اور ہموار راستہ اختیار کرتا ہے اس سے جب کوئی شدید غلطی ہوتی ہے یا کسی معاملے میں اس کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑتا ہے تو وہ اس کے اسباب وعلل پر غور کرتا ہے اس ناکامی کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آئندہ ایسی غلطیوں سے بچنے کی جدوجہد کرتا ہے جن کی وجہ سے اس کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

اسباب ونتائج کا یہ تجزیہ انسان کی وہ فطری صلاحیت اور خداداد عطیہ ہے جس سے جانور عام طور پر محروم ہیں اور جس کی وجہ سے انسان اعلیٰ مراتب کمال تک پہنچا اور انسانی تہذیب وتمدن اور علوم وفنون نے اتنی ترقی کی۔

انسان کی تعریف یہ نہیں کہ وہ غلطی نہیں کرتا غلطی کرنا تو اس کی سرشت اور تخمیر میں داخل ہے اور آدم کی میراث ہے تعریف یہ ہے کہ وہ غلطی کا اعتراف کرتا ہے اس پر نادم ہوتا ہے اس کی تلافی کرتا ہے، اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور بعض اوقات اپنی ایک لغزش اور غلطی پر اس کو ایسی ندامت ہوتی ہے کہ اس سے وہ میدان ترقی میں ہزاروں لاکھوں میل کی مسافت آن کی آن میں طے کر لیتا ہے اور اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں غلطی اور توبہ کے بغیر وہ برسوں میں بھی پہنچ سکتا تھا اور اس کی اس ترقی اور پرواز پر معصوم فطرت فرشتوں کو بھی رشک آنے لگتا ہے۔ نسل انسانی کے مورث اعلیٰ حضرت آدمؑ سے بھی غلطی ہوئی تھی لیکن انھوں نے اس غلطی پر اصرار نہیں کیا بلکہ ان لفظوں میں اس کا اعتراف اور اس پر ندامت کا اظہار کیا کہ رحمت الٰہی کے دریا میں ایک تلاطم برپا ہو گیا اور ان کو محبوبیت کا وہ مقام حاصل ہو گیا جو شاید اس لغزش سے پہلے حاصل نہ تھا انھوں نے کہا:

"اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔"

(سورۃ الاعراف ۲۲)

ان کو اس توبہ اور ندامت سے

جو ترقی حاصل ہوئی اس کا قرآن مجید نے خود اعلان فرمایا ہے:

ترجمہ: اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا تو وہ بے راہ ہو گئے پھر اللہ کے پروردگار نے ان کو نوازا اور ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔

لیکن شیطان کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ اس نے اپنی غلطی اور نافرمانی پر اصرار کیا اور اپنے عمل کی صحت اور جواز کے لیے دلائل دیے:

اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔"

(سورۃ الاعراف ۱۲)

بہت سی انسانی کامیابیوں کا سہرا غلطیوں کے سر ہے

انسانی ترقیات اور تہذیب وتمدن کی وسعت اور ارتقا میں غلطیوں کا حصہ صحیح اقدامات اور راست روی سے شاید کم نہیں، بلکہ بعض انسانی فتوحات اور کامیابیوں کا سہرا ان ہی غلطیوں کے سر ہے۔ اس طرح انسانی تاریخ جس طرح انسانوں کے صحیح فیصلوں اور صحیح عمل کی مرہون منت ہے، اسی طرح غلطیوں، لغزشوں اور نادانیوں کی بھی اس دعویٰ کے ثبوت کے لیے آپ کو تاریخ میں بہت سی مثالیں ملیں گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جزیرہ نمائے سینا میں صحیح سلامت پہنچنا اور فرعون کے لشکر کا بحر احمر میں غرق ہونا، حضرت موسیٰ کے رات کے اندھیرے میں راستہ بھول جانے کا نتیجہ تھا۔ نئی دنیا (امریکہ) کی دریافت کولمبس کی غلطی اور غلط فہمی کا نتیجہ تھا، جو ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا۔

غلطیوں کا احساس نہ کرنا صحیح الفطرت انسان کا شیوہ نہیں

اپنی غلطیوں کا احساس نہ کرنا اور اپنے تجربوں اور ناکامیوں سے فائدہ نہ اٹھانا غلطیوں اور ناکامیوں کے اسباب وعلل کو تلاش نہ کرنا ایک ہی غلطی بار بار کرنا اور ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسا جانا ایک صحیح الفطرت اور صحیح الحواس انسان کا شیوہ نہیں ہے اور مومن کو تو یہ کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا جس کو اللہ تعالیٰ نے فراست ایمانی عطا فرمائی ہے اور عقل وتجربے سے فائدہ اٹھانے کی سب سے زیادہ دعوت دی ہے۔ قرآن شریف نے گروہ منافقین کی یہ کمزوری اور عیب بیان کیا ہے کہ وہ واقعات اور تجربات سے بالکل فائدہ نہیں اٹھاتے اور سال میں کئی کئی بار آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں۔

ترجمہ: کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں مگر اس پر بھی نہ تو توبہ کرتے ہیں نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔" (سورۃ التوبہ ۱۲۶)

مومن کی اسی صلاحیت پر اعتماد کرتے ہوئے ایک صحیح حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ مومن ایک ہی سوراخ سے دوبارہ ڈسا نہیں جا سکتا۔

جاہلیت کی صحیح معرفت ضروری ہے

مسلمان کو اسلام کے خلاف کام کرنے اور دشمنوں کا آلہ کار بننے سے ایسی دہشت ہونی چاہیے کہ اگر خواب میں بھی کوئی ایسا واقعہ اسے دیکھے تو اس کے منھ سے چیخ نکل جائے اور وہ توبہ اور استغفار کرے۔ جاہلیت سے صرف جذباتی نفرت ہی کافی نہیں، مسلمان کے لیے جاہلیت کی صحیح معرفت ضروری ہے

وہ کبھی اس کے بارے میں دھوکا نہ کھائے۔ اگر جاہلیت غلاف کعبہ اوڑھ کر اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر آئے۔ جب بھی وہ لاحول پڑھے اور اس سے پناہ مانگے۔ وہ کسی بھیس میں اس کے سامنے آئے تو وہ اس کو پہچان جائے اور اس کو مخاطب کرکے کہے:

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

شیطان کی حکمت

شیطان کی حکمت عملی اور جنگی سیاست یہ ہے کہ وہ مسلمان میں جو کمزور پہلو دیکھتا ہے اسی طرف سے حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ ہر طبقہ اور ہر فرد پر ایک ہی طریقہ اور ایک ہی ہتھیار نہیں آزماتا۔ وہ دین داروں اور عابدوں کو عوام کے درجے کے فسق و فجور کی ترغیب نہیں دیتا کہ اس میں اس کو کامیابی کی امید نہیں۔ وہ ان کو ریا، تکبر، خود پسندی، جاہ اور حسد جیسے امراض میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قومی سربلندی، حکومت اقتدار کی ہوس اور دوسروں کے بجائے اپنے ملک کے وسائل کا خود استعمال کرنا اور اپنے اوپر خود حکومت کرنا اور اپنی زبان اور کلچر کو فروغ دینا، ہر قیمت پر اپنے ملک کا بول بالا کرنا یہ وہ خوش نما اور دل فریب مقاصد اور وہ دل کش اور شیریں خواب ہیں جن پر بڑے بڑے اہل علم اور بعض اوقات بڑے بڑے دین دار بھی فریفتہ ہو جاتے ہیں۔

عربوں کی فریب خوردگی اور اس کی سزا

شیطان نے عربوں کو یہی سبز باغ دکھایا۔ ان سے کہا کہ قرآن مجید تمھاری زبان میں نازل ہوا۔ اللہ کا رسول تم میں مبعوث ہوا۔ خانہ کعبہ اور تمام عالم کا قبلہ تمھاری سرزمین ہے، حرم اور رسول کی آخری آرام گاہ تمھارے ملک میں ہے، تم قرآن و حدیث اور اسلام کے اسرار و حقائق کو جیسا سمجھ سکتے ہو، دنیا میں کون سی قوم ایسا سمجھ سکتی ہے پھر ان سب کے باوجود خلافت کا مرکز تم سے ہزاروں میل دور سمندر پار قسطنطنیہ میں ہو اور ترک تم پر حکومت کریں جن کی نہ زبان عربی اور نہ نسل عربی۔ یہ منطق ایسی تھی کہ بہت سے عربوں نے جن کو اقتدار کی تمنا تھی اور وہ عرصے سے ایک عرب ایمپائر کا خواب دیکھ رہے تھے نیز ان کو ترکوں سے بہت سی شکایتیں تھیں اور ان کے احساس برتری اور حاکمانہ رویہ سے نالاں تھے۔ ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور وہ برطانوی شاطروں کے مقاصد کا آلہ کار بن گئے۔ شریف مکہ نے مرکز اسلام میں بیٹھ کر اور شام و عراق کے عربوں نے اپنے اپنے ملکوں میں اتحادیوں کا ساتھ دیا اور ان کے منصوبے کی تکمیل میں معاون بن گئے۔ ترکوں کو شکست ہوئی، خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا۔ ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ وہ حصار جس کے اندر مسلمان عزت کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے منہدم ہو گیا۔ مغربی طاقتوں کو اب کسی کا ڈر نہیں رہا اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی انگلی ملانے والا بھی نہیں رہا۔ اس کے نتیجے میں فلسطین یہودیوں کا قومی وطن بنا، اسرائیل کی سلطنت قائم ہوئی جو عربوں کی چھاتی پر کھونٹے کی طرح قائم ہے۔ بیت المقدس یہودیوں کے قبضے میں چلا گیا یہ سب اس عصبیت جاہلیہ کا کرشمہ ہے جس کا عرب شکار ہوئے اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

قرآن اور حدیث میں عصبیت جاہلیہ کی مذمت

قرآن و حدیث کا ایک ادنیٰ طالب علم جانتا ہے کہ کسی نسل خون، رنگ، زبان، تہذیب کی بنیاد پر اندھا دھند حمایت اور جتھا بندی اس کی بنیاد پر محبت و نفرت، تعلق اور قطع تعلق، صلح و جنگ وہ جاہلی عصبیت ہے جس کی مذمت سے قرآن و حدیث بھرے ہوئے ہیں قرآن شریف میں ہے:

"جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی اور ضد بھی جاہلیت کی۔" (سورۃ الفتح ۲۶)

اور صحیح حدیث میں آیا ہے:

ترجمہ: وہ شخص جماعت مسلمین میں سے نہیں جو کسی عصبیت کی دعوت دے وہ شخص جماعت مسلمین میں سے نہیں جو کسی عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے وہ شخص جماعت مسلمین میں سے نہیں جس کی موت عصبیت پر ہو۔" (ابوداؤد)

ایک مرتبہ ایک مہاجر اور ایک انصاری نے اپنی قوم کی دہائی دی اور مہاجر نے یا للمہاجرین (اے مہاجرو) اور انصاری نے یا للانصار (اے انصاریو) کا نعرہ لگایا۔ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا "دعوھا انھا منتنۃ" (ان جاہلی نعروں کو چھوڑ دو یہ گندی اور بدبودار چیزیں ہیں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جاہلی نسبتوں اور ان کے نام پر اپیل کرنے اور ان کی دہائی دینے سے ایسی نفرت تھی کہ آپ نے ان سے کام لینے والوں کی ہر طرح سے ہمت شکنی اور توہین و تذلیل کی ہدایت فرمائی اور باوجود اس کے کہ آپ کسی بڑے سے بڑے دشمن کے لیے بھی کوئی درشت اور ناملائم لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے، آپ نے سخت ترین الفاظ استعمال کرنے کی اجازت نہیں دی اور اس میں مطلق رو رعایت کرنے اور اشارہ کنایہ سے کام لینے سے بھی منع فرمایا۔

مسلمانوں کے دینی عمل اور شعور میں تناسب نہیں

ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ ہم نے دینی جذبے، عبادت کا ذوق اور دینی معلومات کی ترقی کی جتنی کوشش کی، اتنی کوشش شعور صحیح کرنے اور بیدار کرنے میں نہیں کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بہت سے اسلامی ملکوں میں عمل اور شعور میں وہ تناسب نہیں جو ہونا چاہیئے۔ ایک آدمی آپ کو بڑا دیندار، عابد و متہجد گزار ملے گا لیکن اس کا دینی شعور بالکل ناپختہ اور طفلانہ ہوگا۔ بعض مرتبہ وہ دین کے بنیادی تقاضوں سے ناواقف نظر آئے گا اور وہ ایسی غلطی کر بیٹھے گا جو کسی صاحب شعور مسلمان سے حد درجہ مستبعد ہے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ جاہلیت اور اسلام کا بالکل فرق نہ سمجھتا ہو اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ کسی جاہلی دعوت اور کسی عیار و شاطر کا شکار ہو جائے اور وہ اس کو اپنے مذموم مقاصد اور اسلام کی بیخ کنی کے لیے استعمال کرے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نیک نیتی اور سادگی کے ساتھ اس کام کو انجام دے اور اس عمل میں اور دین کے تقاضوں میں اس کو کوئی تضاد محسوس نہ ہو۔ تاریخ اسلام میں اس کی بہت مثالیں ملیں گی۔

صحابہ کرامؓ کی جامع تربیت

لیکن صحابہ کرام کا معاملہ اس سے بالکل الگ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ان کی مکمل اور جامع تربیت فرمائی تھی۔ جہاں ان کے اندر عمل کا وہ جذبہ پیدا کیا گیا تھا جس کی مثالیں دنیا کی تاریخ میں ناپید ہیں وہاں ان کے اندر ایک ایسا شعور پیدا کر دیا گیا تھا کہ وہ صحیح اور غلط ظلم و عدل اور جاہلیت و اسلام میں ہر وقت امتیاز کر سکتے تھے۔ ان کا ذہن اتنا سلیم اور مستقیم بنا دیا گیا تھا کہ کوئی ٹیڑھی چیز ٹیڑھی ہو کر دخل نہیں ہو سکتی اسی طرح ان کا ذہن سلیم کسی کج چیز کو قبول نہیں کرتا تھا۔

میں اس کی ایک بہت واضح اور طاقت ور مثال پیش کرتا ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام کا تعلق ذات نبوی سے کیسا تھا اور کیسا تھا؟ مختصر یہ ہے کہ توحید کے دائرے میں رہتے ہوئے کسی انسان کو کسی انسان سے جتنی عقیدت اور تعلق ہو سکتا ہے اس سے زیادہ تعلق صحابہ کرام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے تھا اور جس کو فارسی کے کسی شاعر نے اس الہامی مصرعہ میں بیان کیا ہے کہ ؎

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آپ کے مبارک لبوں اور زبان سے جو چیز نکلتی ہے اس کا منبع اور سرچشمہ وحی و ہدایت الٰہی ہے اور آپ کوئی بات اپنے نفس کے تقاضے سے نہیں فرماتے تھے ان کا ایمان تھا کہ

"اور نہ خواہش نفس سے منھ سے بات نکالتے ہیں، یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔" (سورۃ النجم ۳-۴)

ان خصوصیات کو سامنے رکھ کر اب یہ سنیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہ کرام کی مجلس میں فرمایا:

انصر اخاك ظالماً او مظلوماً

"اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہونے کی حالت میں بھی اور مظلوم ہونے کی حالت میں بھی۔" اس عقیدت اور عشق کا تقاضا جس کا اوپر ذکر ہوا یہ تھا کہ وہ اس ارشاد کو بے چون و چرا مان لیتے اور آنکھ بند کر کے اس پر عمل کرتے ایسے واضح الفاظ میں فرما دینے اور اہل زبان ہونے کے بعد ان کے کچھ دریافت کرنے اور وضاحت چاہنے کا کوئی موقع نہ تھا لیکن جس انداز پر ان کی اس وقت تک تربیت ہوئی تھی ظلم کی جو مذمت وہ اس زبان مبارک سے ابھی تک سنتے آئے تھے اور ظالم کا ساتھ نہ دینے کی اللہ کو جس طرح تلقین کی گئی تھی ان کو اس میں اور آج کے ارشاد میں ایک کھلا ہوا تضاد محسوس ہوا، وہ خاموش نہ رہ سکے اور انھوں نے ادب سے عرض کیا:

"اے خدا کے پیغمبر! مظلوم ہونے کی حالت میں تو مدد کی جائے، ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کی جا سکتی ہے؟" آپ نے قطعاً اس پر اپنے کسی تکدر کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ ان پر سرزنش کی بلکہ نہایت بشاشت کے ساتھ اپنے اس فرمان کی تفصیل اور اپنے اس ارشاد کی تشریح فرمائی۔ فرمایا: ہاں ظالم کی بھی مدد کی جا سکتی ہے اور کرنا چاہیئے مگر اس کا طریقہ کیا ہے؟ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ اس کو ظلم نہ کرنے دو۔ اب آنکھوں پر سے پردہ اٹھ گیا تھا اور جو گرہ پڑ گئی تھی، کھل گئی تھی۔

کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو

اس شعور کی ایک دوسری مثال سنیے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک دستہ بھیجا جس کو سیرت و تاریخ کی اصطلاح میں (سریہ) کہتے ہیں۔ آپ نے ساتھ جانے والوں کو حکم دیا کہ اپنے امیر کی پوری اطاعت کرنا۔ ایک موقع پر امیر نے کسی بات کا حکم دیا۔ اس کی تعمیل میں ذرا تاخیر ہوئی۔ انھوں نے اس پر غضب ناک ہو کر لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ جب لکڑیاں جمع ہو گئیں تو انھوں نے اس کو آگ دکھائی اور ایک الاؤ روشن ہو گیا۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس میں کود پڑو۔ انھوں نے انکار کر دیا۔ انھوں نے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری بات ماننے کا حکم نہیں دیا تھا۔ انھوں نے کہا ہے شک دیا تھا لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا ہم نے اسی آگ سے بچنے کے لیے اسلام قبول کیا اور آپ کا دامن تھاما ہے اب ہم اس میں کیسے کود پڑیں بات ختم ہو گئی۔ یہ فوج جب مدینہ پہنچی تو امیر لشکر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا اور اپنے ساتھیوں کی شکایت کی۔ آپ نے ان کے عمل کی تصویب فرمائی اور فرمایا کہ اگر یہ اس آگ میں گھس جاتے تو پھر کبھی باہر نہیں نکل سکتے تھے۔ آپ نے فرمایا "انما الطاعة بالمعروف" (اطاعت نیک کام ہی میں جائز ہے)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ زریں اصول دیا جو اس کی ہر دور میں رہنمائی کرتا رہا ہے اور جس نے بڑے نازک موقعوں پر جابر بادشاہوں کی اندھا دھند اطاعت اور گمراہ کن قائدوں اور رہنماؤں سے غیر مشروط پیروی اور رفاقت سے روکا ہے۔ وہ اصول یہ تھا کہ:

لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق "(کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں خالق (خدا) کی نافرمانی ہوتی ہو اور اس کا کوئی حکم ٹوٹتا ہو)۔ تاریخ اسلام میں مسلمانوں نے بڑے بڑے نازک موقعوں پر اپنے دماغی توازن اور اپنی قوت تمیز کو برقرار رکھا اور وہ کسی فتنے کی آگ کا ایندھن نہیں بن سکے۔ ان میں ایسے ایسے جری اور ذہین مصلح اور عالم پیدا ہوئے جنھوں نے وقت کے دھارے میں بہنے سے انکار کر دیا اور اس بات کے ماننے سے انکار کیا کہ:

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

وہ واقعات جن کی تاریخ ابتدائے اسلام سے شروع ہوتی ہے اور کسی نہ کسی شکل میں اس وقت بھی اس کی جھلک نظر آ رہی ہے یہ سب اسی زریں اصول کا نتیجہ تھا۔ لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق "(کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں خالق (خدا) کی نافرمانی ہوتی ہو۔)

بقیہ: شراب کی حرمت

کو حذف کرنے کے بعد حاصل ہوا۔

کیا اس سے بھی گویا بالواسطہ یہی یہ حقیقت واضح نہیں ہوتی کہ شراب قرآن کی رو سے حرام ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ شراب کو یہ سمجھ کر پینا کہ چونکہ قرآن میں اسے حرام نہیں کہا گیا اس لیے اس کا پینا جائز ہے یہ شیطان اور نفس کا بہت بڑا فریب ہے۔

انسان اگر کسی گناہ کا ارتکاب کرے یہ سمجھ کر کہ یہ حرام اور گناہ ہے تو کم از کم اس کی توقع تو کی جا سکتی ہے کہ اسے توبہ کی توفیق میسر آ جائے لیکن اگر حرام اور گناہ ہی نہ سمجھے تو توبہ کی توقع بھی ختم ہو جاتی ہے اور یہ بدبختی کی انتہا ہے۔

قرآن مجید کا اعجاز

مولانا محمد اشرف کھوکھ

اللہ رب العزت نے اس عالم رنگ و بو کو رنگا رنگ عجائبات سے معمور فرمایا ہے اور اس کا دو لہا انسان کو بنایا ہے۔ چونکہ انسان کی عقل و فہم اور حواس خمسہ اتنے قوی نہیں ہیں کہ وہ خود ساختہ راہوں پر چل کر دارین کی فوز و فلاح کو سمیٹ سکے۔ لہٰذا اللہ رب العزت نے انسان کو مادہ اور معدہ پرستی سے بچانے کے لیے اپنے مقدس پیغمبروں کو بھیجا تاکہ انسان دارین کی کامرانیوں سے ہمکنار ہو سکے۔

اللہ رب العزت کی طرف سے بھیجے گئے ہر پیغمبر نے اپنی امت کے سامنے معجزے پیش کیے مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی دعا نے عالم کو غرقاب کر دیا۔ حضرت شعیبؑ اور لوطؑ کی دعاؤں نے آتش فشاں پہاڑوں سے آگ برسائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے فرعون غرق ہوا۔ عصائے موسیٰ کی کارفرمائی کہ بحر احمر دو لخت ہو گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزہ نے مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیا۔

یہ واقعات ابر باراں میں چمکنے والی کوندی کی طرح رونما ہوئے اور ختم ہو گئے ہیں لیکن ایک پیغمبر اعظمؐ ایسا آیا جس کے حیرت انگیز معجزہ نے پوری دنیا کو ہلاکت سے بچا کر حیات جاوداں بخشی، پتھر دلوں کو موم اور عقل کے اندھوں کو بینا کر دیا اور تمام بنی نوع انسان کو خواب غفلت سے جگا کر ہلاکت ابدی سے بچایا۔ یہ واقعہ کوندی کی طرح رونما ہو کر ختم نہیں ہوا بلکہ روز روشن سے زیادہ روشن ہو کر ہزارہا سال تک متواتر واقعیت بن کر اہل عالم کے سامنے جلوہ گر رہا ہے اور تا ابد رہے گا۔

خاصہ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، آخری دین، دین اسلام کی تکمیل کے لیے آخری صحیفہ لے کر اور قصر نبوت کی آخری اینٹ بن کر اس دنیا میں تشریف لائے۔ آپؐ کے بعد نہ کوئی پیغمبر آنے والا نہ دین آنے والا اور نہ کتاب اترنے والی ہے۔ چونکہ آپؐ تمام بنی نوع انسان کے لیے اور جن و انس کے لیے تا قیامت آخری نبی اور رسول بن کر تشریف لائے۔ لہٰذا ضرورت تھی کہ آپؐ کا خاص معجزہ وقتی اور عارضی نہ ہو بلکہ جب تک لیل و نہار کروٹیں بدلتے رہیں اور جب تک دنیا کا آفتاب ضوفشاں رہے اس وقت تک آپ کی نبوت کا نور چمکتا رہے اس کی روشنی بھی قائم و دائم رہے وقتی اور عارضی معجزوں کے علاوہ آپؐ کو ایک ایسا ابدی معجزہ بخشا گیا جو رہتی دنیا تک قائم و دائم رہنے والا ہے اور یہ عظیم معجزہ قرآن مجید ہے جس کی حفاظت کا ذمہ خود خالق کائنات نے لیا ہے

قرآن مجید نے خود تحدی کی کہ میں آخری پیغمبر، مقصود کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا روشن ثبوت ہوں اگر کائنات کے تمام جن و انس مل کر مجھ جیسی کتاب، ایک سورۃ بلکہ ایک آیت پیش کرنے کی بھرپور کوشش کریں تو قاصر رہیں گے آج چودہ سو انیس سال کا عرصہ دراز بیت چکا ہے لیکن فضائے بسیط کے ہر گوشہ میں اس کے جواب میں سکوت چھایا ہوا ہے اور چھایا رہے گا۔

اگر تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید سب سے تاریک سرزمین میں، سب سے جاہل قوم پر اترا جو علم و تمدن اور دنیوی مادی طاقت سے تہی دامن تھی۔ قرآن مجید کے پیغام سرمدی نے تیرہ سال تک کبھی غاروں اور کبھی پہاڑوں کی چٹانوں سے بھولی بھٹکی انسانیت کو آوازیں دیں لیکن اس عرصہ میں سنگریزے، پتھر تیر و تفنگ اور تیغ و خنجر کی بارش ہوتی رہی لیکن چودھویں سال کا آفتاب طلوع ہوا تو اس کی ضیاء پاشیوں نے چند برس کے عرصہ میں نہ صرف عرب بلکہ عجم کے گوشہ گوشہ کو بقعہ نور بنا دیا۔ پھر کیا ہوا کہ عرب کی ایک وحشی اور جاہل قوم عالم ترین اور متمدن ترین قوم بن گئی۲۳ سال کے مختصر عرصہ میں قیصر و کسریٰ کے سر اس قوم ہاشمی کے سامنے جھک گئے، عرب کی جاہل اور وحشی قوم، قوموں کی استاذ بن گئی، جس قوم کو دنیا میں کہیں سیاسی غلبہ کا خیال تک نہ آیا تھا اس نے شہنشاہی کا تاج سر پر سجایا۔ عرب و عجم، ترک و دیلم، حبش و زنگ، ہند و اور سکھ جس نے قرآن کو سینے سے لگایا اس نے فوز و فلاح کا پرچم تھام لیا۔ عربوں کی کیا شان و شوکت تھی؟ دیلم و سلجوق کون تھے؟ غوری اور تغلق کو کون جانتا تھا۔ یورپ، ایشیا اور افریقہ چھ سو برس تک حکومت کرنے والی اولاد سردار عثمان خان "ترک" سے کون واقف تھا اسلام سے پہلے ان کو کون جانتا تھا۔ یہ صرف اور صرف قرآن مجید کا معجزہ تھا۔ جن قوموں نے قرآن مجید کو سینے سے لگایا اپنی عقیدت کا سر قرآن مجید کے آگے جھکایا اور ادب کیا عمل کیا تو پھر بڑی بڑی طاغوتی قوتیں ان کے سامنے فرط ادب سے سر جھکانے پر مجبور ہو گئیں ؎

جھکا دیں گردنیں فرط ادب سے کج کلاہوں نے
زباں پر جب عرب کے ساربانوں کا نام آیا

قرآن مجید کی تعلیم نے عدل و انصاف، اخوت و مساوات کے سرمدی میٹھے چشمے جاری کیے۔ حسب و نسب، قومیت و وطن، پستی و بلندی، شاہی اور گدائی کے فرق کو مشرق و مغرب، شمال اور جنوب میں مٹا دیا۔ امیر و غریب شاہ و گدا، عرب و عجم اور محمود و ایاز ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

باطل پرستی کے ہر طلسم کو توڑ دیا، ستارہ پرستی، انسانی جانوں کی قربانی اور درخت کشی جیسی لعنتوں سے ان کو نجات ملی۔ صنف نازک کو ماں، بہن، بیٹی کی حیثیت سے سرفراز کیا۔ غریبوں کو بشارت دی اور سب کے لیے صرف ایک ایمان اور عمل صالح کو ہر قسم کی ترقیوں اور سعادتوں کا زینہ بنایا۔ سب سے بڑی بات یہ کہ مسلمانوں کو صرف اور صرف اللہ رب العزت کے آستانہ کے علاوہ تمام آستانوں سے بے نیاز کر دیا۔ انھوں نے

وقت کے ہر فرعون کو دریا برد کر دیا۔ نمرود اور ہامانیوں کو سلطنتوں سے محروم کر دیا اور شدادیوں کے بہشتوں پر قابض ہو گئے۔ یہ سب کچھ ان کے لیے اس لیے ممکن ہوا کہ انھوں نے اپنا ہر قول و فعل اپنی ہر کوشش و کاوش اپنی ہر حرکات و سکنات صرف اللہ رب العزت کی خوشنودی کے لیے وقف کر دی پھر اللہ رب العزت نے بھی انھیں فوز و فلاح کے خزانے عطا فرما دیے۔

مسلمانو! اللہ رب العزت کے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی کتاب قرآن مجید تمھارے پاس موجود ہے ہمت کریں آگے بڑھیں، قرآن مجید کے روشن اوراق ادب سے کھولیں پڑھیں، اس کے معنوں اور مطالب کو سمجھیں اس کی باتوں اور احکامات کو مانیں اور صدق دل سے عمل کریں تو پھر اسلام کی نشاط ثانیہ دور نہیں ؎

کہکشاں پر ڈال دے
بڑھ کر ارادوں کی کمند
پھر زمانے کو دکھا دے
زور بازو ایک بار

بقیہ: کتاب ھدایت

اور اچھی کا طریقہ یہ ہے کہ برائی کا جواب بھی وہ نیکی سے دیتے ہیں، بس یہ وہ بندے ہیں جن کے لیے دار آخرت کی خوش انجامی ہے (یعنی) سدا بہار جنتیں ہیں جن میں وہ داخل کیے جائیں گے اور ان کے (ساتھ ان کے) وہ ماں باپ اور وہ بیوی بچے بھی جن میں کچھ صلاح اور نیکی ہوگی اور ملائکہ ہر دروازے سے ان کے پاس پہنچیں گے (اور ان کو اس طرح سلامی دیں گے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (یعنی سلام آپ لوگوں پر بہ سبب اس کے کہ آپ لوگ مضبوطی سے جمے رہے (حق اور نیکی کے راستے پر) بس بہت اچھا ہے آپ لوگوں کا (اخروی انجام) اور اس کے برعکس جن لوگوں کی سیرت یہ ہے کہ وہ اللہ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑتے ہیں اور جن روابط و علائق کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے ان کو توڑتے ہیں اور اللہ کی زمین میں فساد اور گمراہی پھیلاتے ہیں ان کے لیے اللہ کی لعنت ہے اور دار آخرت کا برا انجام ہے۔

بقیہ: امام شافعی

کتاب کو ان کے شاگرد ربیع بن سلیمان مرادی نے روایت کی ہے یہ فقہ اسلامی کا دائرۃ المعارف ہے اس میں امام شافعی کے اجتہادی مسائل اور فتوے ہیں۔ یہ فقہ کا مفید ترین مجموعہ ہے ان کے مشہور شاگردوں میں امام احمد بن حنبل، ابو ثور بغدادی، ربیع بن سلیمان مرادی، حسن بن محمد زعفرانی اور یوسف بن یحیٰی مصری وغیرہ ہیں۔ امام شافعی نے مصر میں ۲۰۲ھ میں ۵۲ برس کی عمر میں وفات پائی آخر میں ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل کا یہ تاثر پیش ہے:

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ عزوجل اس امت کے لیے ہر سو سال پر ایک شخص پیدا کرے گا جو اس کے دینی معاملات کو درست کرے گا پہلے سو سال پر حضرت عمر بن عبدالعزیز پیدا کیے گئے تھے اور مجھے توقع ہے کہ دوسرے سو سال کے لیے امام شافعیؒ کا انتخاب ہوا ہے۔

علم ایک دولت ہے

پروفیسر ڈاکٹر خالد علوی

قرآن پاک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا ہے۔ چونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی انسانیت کے لیے مکمل نمونہ ہے اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت کے متنوع گوشوں کو بیان کیا گیا ہے قرآن پاک کی چند آیات ایسی ہیں جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مناصب کو بیان کیا گیا ہے ارشادات ربانی ملاحظہ ہوں:

★ یاد کرو جب کہ ابراہیم و اسمٰعیل اس گھر (کعبہ) کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (انھوں نے دعا کی) اے ہمارے پروردگار! ان لوگوں میں خود ان ہی کے اندر سے ایک رسول مبعوث فرما، جو انھیں تیری آیات پڑھ کر سنائے۔ ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

(البقرہ۔ ۱۲۷-۱۲۹)

★ جس طرح ہم نے تمھارے اندر خود تم ہی میں ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے اور تمھارا تزکیہ کرتا ہے اور تم کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔ (البقرہ ۱۵۱)

★ اللہ نے ایمان والوں پر احسان فرمایا جب کہ ان کے اندر خود ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انھیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔

(آل عمران ۱۶۴)

★ وہی ہے جس نے امیوں کے درمیان خود ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو ان کو اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ (الجمعہ۔ ۲)

قرآن پاک کی یہ آیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور معلم متعارف کراتی ہیں۔ اس معلم کے سلسلۂ تعلیم کو بھی قرآن بیان کرتا ہے۔ معلم کے لیے یہ ناگزیر ہے کہ اس نے کہیں سے پڑھا ہو اور علم کا واضح تصور رکھتا ہو قرآن پاک ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اس معلم کا ذریعہ علم کیا ہے؟ قرآن کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک امی انسان تھے اور یہ علمی فیضان براہ راست خالق کائنات کی طرف سے ہوا ہے۔

ارشاد باری ہے: "اس سے پہلے نہ تو آپ کتاب پڑھتے تھے اور نہ اسے دائیں ہاتھ سے لکھتے تھے ورنہ باطل پرست شکست میں پڑ جاتے۔ (العنکبوت ۴۸)

اس آیت کے بعد آپ اس پر غور فرمائیں اور دیکھیں کہ یہ کتنا

ولولہ انگیز امر ہے کہ نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے پہلے جو وحی ربانی ہوئی وہ لکھنے کی تعریف اور پڑھنے کے حکم پر ہی مشتمل تھی۔

پڑھ اپنے رب کے نام سے جو خالق ہے جس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھ کہ تیرا رب بزرگ و برتر ہے جس نے قلم کے ذریعے سے تعلیم دی اور انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔

(العلق ۱۔ ۵)

یہاں "اقرأ" کے معنی پڑھنے ہی کے ہو سکتے ہیں معمولی پیام پہنچانے کے نہیں جیسے محاورہ یقرأ السلام میں ہوتے ہیں، کیونکہ سیاق عبارت میں قلم کی تعریف اور اس کے ذریعے علم ہونے کا ذکر ہے۔ غرض نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اللہ کا جو پہلا حکم پہنچایا اور جس کی عمر بھر تعلیم کی وہ پڑھنے اور لکھنے ہی کے متعلق تھا۔

ان آیات کے علاوہ قرآن پاک کی بے شمار آیات ہیں جن میں دعوت علم کا تذکرہ موجود ہے۔ قرآن پاک نہ صرف تعلیم و تعلم کی دعوت دیتا ہے بلکہ وہ طالب علم کے جذبے کو ابھارتا ہے اہل علم کے مراتب بیان کرتا ہے اور عقلا کو مخاطب کر کے انھیں آیات الٰہیہ میں تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے۔ وہ انسانوں کے فرق مراتب کو بیان کرتے ہوئے صاحبان علم کو فضیلت دیتا ہے اور جاہلوں کو ناپسند کرتا ہے قرآن نے لوگوں کو دعوت دی کہ صاحبان علم سے سوال کریں۔ ارشاد ربانی ہے: "آپ کہہ دیں کہ کیا علم والے اور بے علم برابر ہوتے ہیں؟

(الزمر۔ ۹)

گواہی دی ہے اللہ نے اس کی کہ بجز اس ذات کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے اور اہل علم نے بھی اور معبود بھی وہ اس شان کے ہیں کہ اعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں

(آل عمران۔ ۱۸)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے اللہ ان کے درجات بلند کرے گا۔

(المجادلہ۔ ۱۱)

سو پوچھو یاد رکھنے والوں (اہل کتاب) سے اگر تم کو معلوم نہیں۔

(النمل ۴۳)

سو کیوں نہ نکلے ہر فرقے میں سے ان کا ایک حصہ تاکہ سمجھ پیدا کریں دین میں اور خبر پہنچا دیں اپنی قوم کو جب واپس آئیں ان کی طرف، شاید وہ بچتے رہیں۔

(التوبہ ۱۲۲)

اسی طرح علم کو پھیلانے کے وجوب کا تذکرہ کرتے ہوئے قرآن پاک نے فرمایا: "اور جب اللہ نے اقرار کر لیا کتاب والوں سے کہ اس کو بیان کرو گے لوگوں کے پاس اور نہ چھپاؤ گے۔ (آل عمران، ۱۸۷)

پھر فرمایا: اللہ سے ڈرتے وہی ہیں اس کے بندوں میں جن کو سمجھ ہے۔ تحقیق، اللہ زبردست ہے بخشنے والا۔ (فاطر ۲۸)

ان تمام آیات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا کہ اشاعت علم ہی اولین فریضہ ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہم ذمہ داری بھی یہی ہے۔ جو لوگ علم کی دولت سے سرفراز ہیں وہی حقیقت میں قابل قدر لوگ ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی روح کو پہچانا اور اپنے فرض منصبی کو سامنے رکھ کر زندگی بھر علم کے موتی بکھیرتے رہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا تجزیہ کیا جائے تو تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر روشنی

پڑتی ہے مثلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی قدر و قیمت بیان فرمائی اور مسلمانوں کو حصول علم کی طرف توجہ دلائی، فرمایا:

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ جس کی بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں اسے دینی بصیرت عطا کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک فقیہ (عالم) شیطان کے مقابلے میں ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص علم حاصل کرنے کے لیے (گھر سے) نکلے وہ جب تک گھر واپس نہ آجائے خدا کی راہ میں ہے۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حصول علم ہر مسلمان پر واجب ہے۔

کثیر بن قیس رح کہتے ہیں کہ میں دمشق کی مسجد میں ابو درداءؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص ان کے پاس آیا اور کہا، اے ابو درداء! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر مدینے سے یہ سن کر آیا ہوں کہ تمھارے پاس ایک حدیث ہے جس کو تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہو اور کوئی غرض بجز اس کے میرے یہاں آنے کی نہیں ہے (ابو درداء نے) کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جو شخص علم کے لیے سفر اختیار کرے اللہ اس کو بہشت کے راستے پر چلاتا ہے اور فرشتے (دین کے) طالب علم کی رضا مندی کے لیے اپنے پروں کا سایہ اس پر ڈالتے ہیں اور عالم کے لیے ہر وہ چیز جو آسمانوں کے اندر ہے (جیسے فرشتے) اور جو زمین پر ہے (مثلاً انسان، جن اور حیوانات وغیرہ تمام مخلوقات) استغفار کرتی ہے اور (یہاں تک کہ) مچھلیاں بھی پانی کے اندر مغفرت کی دعا کرتی ہیں اور عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسی کہ چودھویں رات کا چاند ستاروں پر فضیلت رکھتا ہے اور عالم پیغمبروں کے وارث اور جانشین ہیں اور انبیا کا ورثہ دینار اور درہم نہیں ہے بلکہ ان کا ورثہ علم ہے جس کا وارث (انھوں نے) علماء کو بنایا ہے تو جس شخص نے علم کو حاصل کیا اس نے کامل حصہ پایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو ارکان خیر میں شمار کیا ہے اور افراد کو اسی خوبی سے ممیز کیا ہے۔

حضرت جابرؓ بن عبد اللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، انسان کانیں ہیں، جاہلیت کے عہد میں ان کے پسندیدہ لوگ اسلام کے بھی پسندیدہ ہیں اگر دینی فہم رکھیں۔

اسلامی نقطۂ نظر سے علم کی کئی قسمیں ہیں مثلاً وہ علم جو بندے اور اللہ کے رشتے کو متعین کرتا ہے اور خود شناسی اور خدا شناسی کی صورتیں پیدا کرتا ہے، اس کے متعلق تو فرما دیا کہ اس کا حصول ہر مسلم پر فرض ہے اور عدم حصول کی صورت میں مسلمان گناہ گار ہوتا ہے۔

علم کی دوسری قسم جن کا تعلق تعقل، تفکر اور تجربے و مشاہدے سے ہے ان سے اصل مطلوب حیات انسانی کے انفرادی و اجتماعی پہلوؤں کو روشن کرنا ہے۔ ایسے علوم کا حصول فرض کفایہ قرار دیا گیا ہے یعنی اگر مطلوبہ علم کو مسلمانوں کی ہیئت اجتماعیہ نظر انداز کر دے تو وہ گناہ گار ہوگی۔ الا یہ کہ کوئی فرد یہ علم حاصل کرے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کو ان امور میں شمار کیا ہے جس پر رشک کیا جا سکتا ہے۔ حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دو چیزوں کے سوا کسی پر حسد جائز نہیں، وہ شخص جسے اللہ نے مال دیا اسے اس نے حق کی راہ میں صرف کرنے پر لگا دیا، دوسرا وہ جسے اللہ نے حکمت عطا فرمائی وہ اس سے فیصلے کرتا ہے اور لے سکھاتا ہے اس طرح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ زیور علم سے آراستہ ہوں۔

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: تجھے اس حال میں صبح کرنی چاہیئے کہ تو عالم ہو، متعلم ہو، علم سننے والا ہو یا علم سے محبت رکھنے والا اگر کوئی پانچویں صورت اختیار کی تو ہلاک ہو جائے گا۔ حضرت عطا کہتے ہیں کہ مجھ سے مسعر نے کہا: پانچویں چیز کا اضافہ کیا جو ہمارے ہاں نہیں اور وہ یہ ہے کہ علم اور اہل علم سے بغض رکھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو صرف علوم شرعیہ کے حصول پر ہی آمادہ نہیں کرتے رہے بلکہ دوسرے علوم کا بھی اہتمام فرماتے۔ چنانچہ مدینے تشریف لانے کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابتؓ سے کہا سنی میں قرآن پاک کی دس پندرہ سورتیں سنیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پسند کیا اور انھیں حکم دیا کہ یہودیوں کی زبان سیکھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زید تم میرے لیے یہودیوں کی کتاب سیکھو۔ خدا کی قسم میں اپنی کتاب کے بارے میں یہودیوں سے مطمئن نہیں ہوں اور ایک روایت میں ہے: میں ایک جماعت کی طرف لکھتا ہوں مجھے خدشہ ہے کہ وہ میرے بارے میں کمی بیشی کریں، زید تم سریانی سیکھو! زید کہتے ہیں میں نے سترہ دنوں میں زبان سیکھ لی۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اکثر اوقات دعاؤں میں نفع بخش علم کا ذکر کیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم علم کے اضافے کی دعا مانگتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا علم طلب کرتے ہیں جو نفع بخش ہو، ضرر رساں نہ ہو۔ "وقل رب زدنی علما" آپ فرمائیں اے پروردگار! میرے علم میں اضافہ فرما۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ! میں تجھ سے ایسے علم سے جو نفع بخش نہ ہو، اس دعا سے جو نہ سنی جائے ایسے قلب سے جو نہ ڈرے اور ایسے نفس سے جو سیر نہ ہو، پناہ مانگتا ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نفع بخش علم کو ایک ایسی شے قرار دیا ہے جس کا اجر موت کے بعد بھی منقطع نہیں ہوتا۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب انسان مرتا ہے تو اس کا علم منقطع ہو جاتا ہے۔ مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں۔ صدقہ جاریہ ایسا علم جس سے بعد کے لوگ متمتع ہوں یا صالح فرزند جو اس کے لیے دعا کرے۔

حصول علم کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متنوع طریقوں اور مختلف اسالیب سے لوگوں کو آمادہ کیا اور حق یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کوششیں بار آور ثابت ہوئیں۔ اس کے ساتھ ہی ان اقوال

وساعی پر نظر رکھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ علم کے لیے فرمائیں تو واضح ہو گیا کہ آپ کو حصول علم اور ابلاغ کا کتنا شغف تھا۔

علم ایک دولت ہے اور اس دولت کا فائدہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب اس معاشرے کو انفرادی اور اجتماعی طور پر خیر نصیب ہو۔ ایسا علم جس سے خلق خدا کو نفع نہیں ہے بے کار محض ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ اس زمانے کو مخفی نہ رکھیں بلکہ اسے لوگوں تک پہنچائیں۔ نبی معلم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل علم پر واجب ٹھہرایا کہ وہ علم کی اشاعت کریں۔ آپ نے علم مخفی کو حرام قرار دیا۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرز فکر کے گواہ وہ ہزاروں مسلمان ہیں جن کے سینوں میں آپ نے علم کی شمع روشن کی تھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی، اسے حفظ کیا حتیٰ کہ اسے (اوروں تک) پہنچایا۔ بسا اوقات سننے والے کی بہ نسبت حدیث کی زیادہ حفاظت وہ کرتے ہیں جو ان سے سنتے ہیں۔ کئی پہنچائے جانے والے سننے والے سے زیادہ حفاظت کنندہ ہوتے ہیں۔ بہت سے غیر فقیہ لوگ فقہی علوم کے حامل ہوتے ہیں اور کتنے حامل فقیہ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے سے زیادہ فقیہ تک پہنچاتے ہیں۔ اللہ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے میری بات سنی اسے محفوظ کیا اور پھر اسے اس شخص تک پہنچایا جس نے نہ سنا، کتنے حاملان فقہ ہیں جو اس شخص تک بات پہنچاتے ہیں جو زیادہ سوجھ والا ہے۔ تین چیزیں ہیں جن کے بارے میں قلب مومن فریب نہیں کھاتا: اللہ کے لیے اخلاص عمل، اولی الامر کی اطاعت اور التزام جماعت۔

ابلاغ علم کا یہی احساس تھا جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مختلف طریقوں پر آمادہ کیا تھا۔ مثلاً آپ کے پاس وفود آتے، آپ انھیں اسلام کی تعلیم دیتے ہوئے اپنے رفقاء میں سے بعض کو معلم و مبلغ بنا کر بھیجتے، خطوط ارسال کرتے خود مختلف قبائل اور افراد تک پہنچتے اپنے امراء اور قاضیوں کو بھیجتے۔

نئے سال کا ایک اور تحفہ

خطباتِ مفکرِ اسلام

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ)

جلد دوم

مرتب: محمد کاظم ندوی

قیمت جلد اول Rs: 120/= قیمت: جلد دوم Rs: 120/=

نوٹ:- اپنے کسی قریبی کتب فروش سے طلب کریں یا ہمیں لکھیں کتابیں رعایت کے ساتھ روانہ کی جائیں گی۔

پتہ:- مکتبہ ایوب کاکوری لکھنؤ ۲۲۷۱۰۷

ن۔ ج بنت عبدالاکبر

بدنگاہی سے بچئے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندے پر بہت سے انعامات اور احسانات کیے ہیں اگر کوئی شخص اس کو شمار کرنا چاہے تو ہزار کوشش کے باوجود اس کو شمار نہیں کر سکتا۔

ان تمام انعامات میں سے ایک چھوٹا سا عضو جو بظاہر بہت چھوٹی سی چیز یعنی آنکھ ہے۔ اگر انسان اس کے متعلق سوچے تو عقل حیران رہ جاتی ہے یہاں تک کہ ہر شخص کا یہ اعتقاد ہے کہ جس کی آنکھ گئی اس کی دنیا گئی کتنے لوگ ایسے ہیں جو اس کو صحیح مصرف میں استعمال کرتے ہیں۔ اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس کی حفاظت کی کوشش کرتے ہیں لیکن افسوس کہ اکثر لوگ ایسے ہیں جو اس کو غلط مصرف میں استعمال کرتے ہیں اور عذاب الٰہی کے مستحق ہوتے ہیں۔

ارشاد باری ہے:

ترجمہ: "اے نبی! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان مردوں سے فرما دیجئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔" آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ جن چیزوں کو اللہ پاک نے حرام کیا ہے ان پر نگاہ نہ ڈالیں۔ حرام چیزوں سے نظریں نیچی کر لیں۔

البتہ پہلی مرتبہ کسی پر بلا ارادہ نظر پڑ جائے تو اس میں مواخذہ نہیں لیکن اگر قصداً دوبارہ نظر ڈالی جائے گی تو انسان گناہ گار ہوگا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علی! پہلی نظر کے بعد نظر نہ کر۔" پہلی نظر تو جائز ہے البتہ دوسری نظر جائز نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس کی نظر کسی عورت کے حسن و جمال پر پڑ جائے پھر وہ اپنی نگاہ ہٹا لے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں ایک ایسی عبادت اسے عطا فرماتے ہیں جس کی لذت وہ اپنے دل میں پاتا ہے۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ اگر آدمی بدنگاہی سے اپنے آپ کو محفوظ رکھے تو اللہ تعالیٰ اسے عبادت کی ایسی توفیق عطا فرمائیں گے جس کی لذت اور حلاوت وہ خود محسوس کرے گا۔

اگر خدانخواستہ نظر بازی کی بیماری میں مبتلا ہو گیا تو بسا اوقات عبادت کی توفیق بھی چھین لی جاتی ہے۔

بدنظری زنا کی پہلی سیڑھی ہے

بدنظری زنا کی پہلی سیڑھی ہے اسی سے بڑے بڑے فواحش کا دروازہ کھلتا ہے۔ قرآن کریم نے بدکاری اور بے حیائی کا انسداد کرنے کے لیے اول اسی نظر کو نیچے رکھنے کا حکم دیا ہے قرآن کریم نے مسلمان مرد و عورت کو حکم دیا کہ وہ بدنظری سے بچیں۔

حدیث نبویؐ ہے،

"آنکھیں زنا کرتی ہیں۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ بدنگاہی بھی آنکھوں کا زنا ہے لہٰذا بہت اہتمام اور فکر سے ہر جگہ اپنی نگاہوں کو بچاتے ہوئے چلنا چاہیئے۔

حدیث نبویؐ ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر آنکھ قیامت کے دن روئے گی سوائے اس آنکھ کے جو خدا کی حرام کردہ چیزوں کو دیکھنے سے بند رہے۔

بدنگاہی اگرچہ بہت بڑا گناہ ہے مگر اکثر لوگ اس کو خفیف سمجھتے ہیں اس لیے اسے بے دھڑک کرتے رہتے ہیں۔ بدنگاہی سے آنکھ کے اندر بے رونقی اور ظلمت پیدا ہوتی ہے جس سے چہرہ بے رونق اور بے نور معلوم ہوتا ہے۔

سیدنا عثمانؓ کی مجلس میں ایک شخص بدنگاہی کر کے آیا۔ آپؓ نے اس کی آنکھوں سے ظلمت کو محسوس کر کے ارشاد فرمایا "کیا حال ہے ایسے لوگوں کا جن کی آنکھوں میں ظلمت ہے" یہی وجہ ہے کہ متقی لوگوں کی آنکھوں میں ایک خاص چمک ہوتی ہے اور اللہ کے چہروں پر ایک خاص نور ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کے دل میں ثبات اور شجاعت عطا فرما دیتے ہیں۔ احادیث میں ہے کہ جو شخص اپنی خواہش کے خلاف کرتا ہے شیطان اس کے سائے سے جدا ہو جاتا ہے۔

ایک بزرگ طواف کر رہے تھے جن کی ایک آنکھ تھی دوسری نہ تھی۔ وہ طواف کرتے ہوئے کہہ رہے تھے "اللھم انی اعوذ بک من غضبک" اے اللہ! میں تیرے غصے سے پناہ مانگتا ہوں۔ کسی نے پوچھا کہ اس قدر کیوں ڈرتے ہو۔ کیا بات ہے؟ کہا کہ میں نے بدنگاہی کی، غیب سے مجھے سزا ملی اور میری آنکھ پھوٹ گئی اس لیے ڈرتا ہوں کہ دوبارہ بدنگاہی نہ ہو جائے۔

حدیث قدسی ہے:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "نگاہ ابلیس کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔" شیطان انسان کو اس نگاہ کے ذریعے خواہش میں مبتلا کرتا ہے۔ اگر انسان بدنگاہی سے بچتا رہے تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس بندے کو ایک خاص قسم کی نورانیت اور ایمانی طاقت عطا فرمائے گا۔ اور اگر یہ بدنگاہی سے نہ بچے تو اس کے بہت سے نقصانات دنیا ہی میں مل جاتے ہیں اور آخرت میں بھی یہ گناہ عظیم کا مستحق ہوگا۔

حضرت جنید بغدادیؒ جا رہے تھے کہ ایک نصرانی کا حسین لڑکا سامنے سے آ رہا تھا۔ ایک مرید نے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ ایسی صورت کو بھی جہنم میں ڈالیں گے۔ حضرت جنیدؒ نے فرمایا کہ تم نے اس کو بری نظر سے دیکھا ہے عنقریب اس کا مزہ تم کو معلوم ہوگا چنانچہ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ شخص قرآن بھول گیا۔

معلوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے آنکھ بھی ایک نعمت ہے۔ انسان اس نعمت کی قدردانی بھی کر سکتا ہے اور بے قدری بھی۔ ناقدری کے نقصانات ہمارے سامنے ہیں اس سے نجات پانے کا صرف ایک طریقہ یہ ہے کہ انسان اپنی نگاہ کی حفاظت کرے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کو اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائیں۔

قرآن کریم میں
شراب کی حرمت

مولانا سید جلال الدین عمری

"قرآن کریم میں شراب کو کہیں حرام نہیں کہا گیا۔"

یہ بات کبھی تو خوش طبعی کے طور پر ان جدید تعلیم یافتہ آزاد منش حضرات کی زبانوں پر آجاتی ہے جو شراب کے عادی تو کجا اس کے لذت شناس بھی نہیں ہوتے۔

اور کبھی یہ بات ان بادہ نوش حیلہ جو لوگوں کی زبانوں پر آتی ہے جو اسے اپنی بادہ نوشی کے لیے وجہ جواز بنانا چاہتے ہیں۔

اس حد تک تو یہ بات صحیح ہے کہ (ح ر م) جو لفظ "حرام" کا مادہ (Root) ہے اور جس کے لغوی معنی ہیں روکنا یا منع کرنا' اس سے بنا ہوا کوئی صیغہ قرآن کریم میں شراب (خمر) سے منع کرنے کے لیے بلا واسطہ صراحتہ استعمال نہیں کیا گیا لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ چونکہ قرآن میں شراب کے لیے لفظ حرام یا اس کے مادے سے بنا ہوا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا گیا اس لیے شراب حرام یا منع نہیں یہ جہالت یا بد دینی کے سوا کچھ نہیں۔

وجہ یہ ہے کہ ایک مفہوم کی ادائیگی کے لیے تعبیرات مختلف ہو سکتی ہیں بلکہ ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی شخص کو مالک مکان اپنے مکان میں آنے سے روکنا چاہتا ہو تو کہہ سکتا ہے کہ "آج کے بعد سے یہ مکان تمہارے لیے حرام ہے یا آج کے بعد سے تمہارا اس گھر میں داخل ہونا منع ہے یا آج کے بعد سے تم اس گھر میں قدم بھی مت رکھنا یا آج کے بعد سے تم اس گھر کی طرف رخ بھی نہ کرنا۔

یہ تعبیرات اگرچہ مختلف ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ان سب کا مفہوم یہی ہے کہ اس شخص کو مکان میں آنے سے روکا جا رہا ہے۔

اب اگر وہ شخص پھر بھی گھر میں داخل ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ تم نے اس گھر کی طرف رخ کرنے سے منع کیا تھا میں رخ کے بجائے پشت کر کے گھر میں آیا ہوں۔ تم نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اس گھر میں داخل ہونا تمہارے لیے حرام یا منع ہے تو ایسے شخص کو احمق کے سوا اور کس خطاب سے نوازا جائے گا؟

یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ قرآن کریم نے شراب سے منع کرنے کے لیے اگرچہ لفظ حرام یا اس کے مادے سے بنا ہوا اور کوئی صیغہ استعمال نہیں کیا لیکن دوسری ایسی تعبیرات اختیار کی ہیں جن سے یقین کے ساتھ یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے شراب کو حرام قرار دیا ہے اور معلوم ہو چکا کہ تعبیر کے اختلاف سے اصل مقصود میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔

واضح رہے کہ عرب قوم چونکہ شراب کی رسیا تھی اور شراب گویا ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی

اس لیے اگر انھیں دفعتاً شراب سے روک دیا جاتا تو یہ ان پر بہت شاق گزرتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں شراب سے روکنے کے لیے تدریجی صورت اختیار فرمائی اور اس کے لیے مختلف تعبیرات اختیار فرمائیں۔

سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکرًا ورزقًا حسنًا الآیۃ) اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ نشے کی چیز (شراب) اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو۔ (۶۷/۱۶ النحل)

اس آیت کریمہ میں "رزق حسن" کے مقابلے میں "سکر" کے ذکر سے معلوم ہو گیا کہ شراب رزق حسن نہیں ہے اور صحابہ کے ذہن میں افراد کے ذہنوں میں اسی آیت سے ایک کھٹک پیدا ہو گئی تھی۔

اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا: لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاری حتیٰ تعلموا ما تقولون (نماز کے قریب نہ جاؤ ایسی حالت میں کہ تم نشے میں ہو یہاں تک کہ تم جاننے لگو اسے جو تم کہہ رہے ہو۔) (۴۳/۵ النساء)

اس حکم کے ذریعے انھیں نمازوں کے اوقات میں شراب پینے سے یا کم از کم اتنی شراب پینے سے روک دیا گیا جس میں ہوش و حواس میں خلل پیدا ہو جائے۔

ساری دنیا کے انسان عموماً دن میں کام اور رات کو آرام کرتے ہیں اسی لیے دن میں کوئی بھی اتنی شراب نہیں پیتا کہ مدہوش ہو کر کام کے قابل نہ رہے۔ شراب عموماً شام اور رات کے فراغت کے اوقات میں پی جاتی ہے۔

اسلام نے جو پانچ وقت کی نمازیں فرض کی ہیں ان کی کیفیت یہ ہے کہ ظہر سے عشا تک کی نمازیں تھوڑے تھوڑے وقفے سے اس طرح تسلسل سے آتی ہیں کہ اس حکم پر عمل کرتے ہوئے ان اوقات میں اتنی شراب پی ہی نہیں جا سکتی کہ ہوش و حواس جاتے رہیں گویا اس حکم کے ذریعے طلوع آفتاب کے وقت سے تقریباً چوتھائی رات تک شراب پر کنٹرول ہو گیا کیونکہ دن میں کام کی وجہ سے خود کنٹرول رہتا ہے اور شام سے رات تک نمازوں نے کنٹرول پر مجبور کر دیا۔

پھر صحابہ کرامؓ فرض نمازوں کے علاوہ عام طور پر تہجد کے عادی تھے بلکہ بعض صحابہ تو رات کا بیشتر حصہ عبادت میں گزارتے تھے۔ خود قرآن کریم میں ان کی یہ صفات بیان کی گئی ہیں۔

ترجمہ: ان کے پہلو بستروں سے جدا رہتے ہیں وہ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں خوف اور لالچ کی وجہ سے۔ (۱۶-۲۱ الم سجدہ)

(اور رات کو کم سوتے تھے اور صبح کو وہ استغفار کرتے رہتے تھے) (۱۷-۱۸ الذاریات)

ان ربک یعلم انک تقوم ادنیٰ من ثلثی اللیل ونصفہ وثلثہ وطائفۃ من الذین معک (۲۰/۲۹)

بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ دو تہائی رات سے کم اور اس کا نصف اور اس کا تہائی حصہ کھڑے رہتے ہیں اور ان لوگوں کی ایک جماعت بھی جو آپ کے ساتھ ہیں)

تو جو حضرات رات کا بیشتر حصہ یا کم از کم تہائی حصہ عبادت میں گزارتے

ہیں وہ رات کے وقت بھی اتنی شراب نہیں پی سکتے تھے کہ مدہوش ہو جائیں کیونکہ لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ (نماز کے قریب نہ جاؤ ایسی حالت میں کہ تم نشے میں ہو) کا حکم صرف فرض نمازوں کے لیے نہیں بلکہ تمام نمازوں کے لیے تھا۔

غرض یہ کہ اس حکم کے ذریعے شراب کم کرنے اور اس پر کنٹرول رکھنے کا پابند بنا دیا گیا۔

اس آیت میں اگرچہ شراب مطلقاً چھوڑ دینے کا حکم نہیں، لیکن بعض ذہین صحابہ اس حکم پر کھٹک گئے تھے کہ شاید اللہ تعالیٰ شراب سے بالکل منع کرنا چاہتا ہے اسی لیے اس آیت کے نزول پر حضرت عمرؓ کی زبان سے نکلا اللھم بین لنا بیانا شافیا (اے اللہ ہمیں صاف تسلی بخش حکم بتا دیجئے۔)

جب مسلمان شراب پر کنٹرول کے عادی ہو گئے تو تیسرے مرحلے پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ترجمہ: لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کی منفعتیں بھی ہیں اور ان دونوں کا گناہ ان کے فائدوں سے بڑا ہے (۲/۲۱۹ البقرہ)

اس آیت میں (یسئلونک) کے الفاظ خود بتا رہے ہیں کہ دوسرے حکم کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں کھٹک پیدا ہو گئی تھی اسی لیے وہ یہ سوال کرتے تھے کہ شراب اور (جوئے) کا قطعی حکم بتا دیا جائے ان کے جواب میں صرف یہ بتایا گیا کہ ان میں بڑا گناہ ہے۔

اس آیت میں شراب کا قطعی حکم نہیں بتایا گیا شاید اس لیے کہ اس وقت تک پوری قوم مکمل کنٹرول کی عادی نہ ہوئی ہو۔

اس آیت میں شراب کو گناہ قرار دینے کے ساتھ ساتھ اس کی منفعتوں کا بھی اعتراف کیا گیا ہے۔ یہ سوال پیدا ہو سکتا تھا کہ اس کے منافع کی وجہ سے اسے پیا جائے یا گناہ ہونے کی وجہ سے اس سے باز رہا جائے۔ آیت کے بعد کے الفاظ نے اس الجھن کو یہ کہہ کر دور کر دیا کہ اس کا گناہ اس کے منافع سے زیادہ ہے۔ اس تعبیر سے قدرتی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ گناہ کا پہلو زیادہ ہونے کی وجہ سے اجتناب کیا جانا چاہیئے۔

صحابہ کرام جو صغیرہ گناہوں سے بھی احتراز کرتے تھے وہ اس کا ارتکاب کیسے کر سکتے تھے جسے بڑا گناہ قرار دیا گیا ہو۔ چنانچہ بہت سے صحابہ نے اس آیت کے نزول کے بعد ہی سے شراب پینا چھوڑ دی تھی لیکن چونکہ اس میں شراب کی قطعی ممانعت نہ تھی اسی لیے حضرت عمرؓ کی زبان سے پھر نکلا۔ اللھم بین لنا بیانا شافیا۔

چوتھے مرحلے پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

ترجمہ: اے ایمان والو! اس کے سوا نہیں کہ شراب اور جوا اور بت اور (قرعہ اندازی کے) تیر یہ سب گندی چیزیں شیطانی کام ہیں پس ان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ شیطان تو یوں ہی چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے سے تمہارے آپس میں عداوت اور بغض ڈال دے اور اللہ کی یاد اور نماز سے تم کو باز رکھے پس اب بھی تم باز نہ آؤ گے؟

(۵/۹۰ مائدہ)

ان آیات کے نزول کے بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسے راسخ الایمان اور متقی حضرات

میں سے کس کی مجال تھی کہ شراب کے قریب بھی پھٹک سکتا۔ چنانچہ فوری طور پر شراب کے برتن توڑ دیے گئے اور ساری شراب بہا دی گئی اس وجہ سے مدینے کی بعض گلیوں میں کیچڑ سی ہو گئی۔

پہلی آیت میں بعض دوسری چیزوں کے ساتھ خمر (شراب) کو بھی گندگی کہا گیا ہے اسے شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے اور اس سے باز رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔

رجس کے معنی: گندگی۔ چڑیا کی بیٹ سے لے کر انسانی فضلے تک ہر گندگی اس کی مصداق ہے۔ پھر اگر کوئی شخص یہ کہہ دے تو کیا غلط ہو گا؟ کہ شراب پینا ایسا ہی شیطانی عمل ہے جیسے محرمات کے ساتھ یہ گھناؤنا جرم کرنا۔

شراب کو گندگی اور شیطانی عمل قرار دینے کے بعد عقل خود بخود اس نتیجے پر پہنچ جاتی ہے کہ شراب نوشی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اسی نتیجے کی قرآن کریم نے یہ کہہ کر صراحت کر دی کہ (فاجتنبوہ) (لہٰذا اس سے پرہیز کرو)

فاجتنبوہ امر کا صیغہ ہے اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ امر جب قرینۂ صارفہ سے خالی ہو (یعنی کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جو یہ بتائے کہ یہاں امر وجوب کے لیے نہیں) تو وہ وجوب فرضیت کے لیے ہوتا ہے۔

حرام ہے کہہ دیا جاتا؟

شراب کو رجس قرار دینے کے بعد اسے شیطانی عمل قرار دیا گیا۔

کسی عورت کو بری نظر سے دیکھنا اور زنا کرنا دونوں شیطانی اعمال ہیں صرف درجات کا تفاوت ہے اور اگر محرمات ابدیہ (ماں، بہن، بیٹی وغیرہ) کے ساتھ اس جرم کا ارتکاب کیا جائے تو اس فعل کی خباثت اور شیطنت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہہ دے تو کیا غلط ہو گا؟ کہ شراب پینا ایسا ہی شیطانی عمل ہے جیسے محرمات کے ساتھ یہ گھناؤنا جرم کرنا۔

شراب کو گندگی اور شیطانی عمل قرار دینے کے بعد عقل خود بخود اس نتیجے پر پہنچ جاتی ہے کہ شراب نوشی سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اسی نتیجے کی قرآن کریم نے یہ کہہ کر صراحت کر دی کہ (فاجتنبوہ) (لہٰذا اس سے پرہیز کرو)

فاجتنبوہ امر کا صیغہ ہے اور یہ طے شدہ اصول ہے کہ امر جب قرینۂ صارفہ سے خالی ہو (یعنی کوئی ایسا قرینہ موجود نہ ہو جو یہ بتائے کہ یہاں امر وجوب کے لیے نہیں) تو وہ وجوب فرضیت کے لیے ہوتا ہے۔

یہاں کوئی ایسا قرینہ نہیں جو بتائے کہ یہ امر فرضیت کے لیے نہیں بلکہ اس کے خلاف اسے گندگی اور شیطانی عمل قرار دینا اس بات کے قرائن ہیں کہ فاجتنبوہ کا امر فرضیت کے لیے ہے۔ یعنی اس امر کے ذریعے شراب سے پرہیز کا جو حکم دیا جا رہا ہے وہ فرض ہے جس کا کرنا حتمی اور ضروری ہو اسے فرض کہتے ہیں اور جس سے بچنا ضروری ہو اسے حرام کہتے ہیں۔

اس کے باوجود اگر کوئی بے عقل یہ کہے کہ اس سے بچنے کا حکم تو دیا گیا ہے لیکن اس کے لیے حرام کا لفظ استعمال نہیں کیا گیا تو پھر فاجتنبوہ کے لفظ میں جن جن چیزوں سے پرہیز کا دوسرے مقامات پر حکم دیا گیا ہے انھیں بھی حرام نہیں ہونا چاہیئے۔ مثلاً فرمایا گیا:

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور

(۲۲/۳۰، الحج)

(پرہیز کرو بتوں کی گندگی سے اور پرہیز کرو جھوٹ بولنے سے)

اگر فاجتنبوہ کے لفظ سے شراب حرام نہیں تو بت پرستی اور جھوٹ بولنا بھی حرام نہیں ہونا چاہیئے۔

مزید یہ کہ اگر شراب کے لیے حرام کا لفظ قرآن میں استعمال نہیں کیا گیا تو نماز کے لیے فرض کا لفظ بھی قرآن میں کہیں استعمال نہیں کیا گیا۔ اگر حرام کا لفظ استعمال نہ کرنے سے شراب حرام نہیں تو فرض یا فَ، رَ، ض کے مادے سے بنا ہوا کوئی صیغہ استعمال نہ کیے جانے سے نماز کو بھی فرض نہیں ہونا چاہیئے۔ نماز کو فرض قرار دینے کے لیے قرآن کریم نے عام طور پر (اقیموا الصلوٰۃ نماز قائم کرو) کے الفاظ استعمال کیے ہیں اور ان الفاظ سے نماز کی فرضیت پر اسی لیے استدلال کیا جاتا ہے کہ اقیموا امر کا صیغہ ہے اور امر فرضیت (وجوب) کے لیے ہوتا ہے۔ (ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتاباً موقوتا) (۱۰۳/۴ نساء) (بے شک نماز مومنین پر مقررہ وقت پر پڑھنا فرض ہے) اس آیت میں بھی فرض کا لفظ موجود نہیں۔

پھر اگر نماز کے لیے (فرض کا لفظ استعمال نہ کرنے کے باوجود محض (اقیموا) کے امر کی وجہ سے نماز فرض ہے تو حرام کا لفظ استعمال نہ کرنے کے باوجود اجتنبوا کے امر کی وجہ سے شراب کیوں حرام نہ ہوگی؟

یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ شراب سے روکنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے صراحتہً حرام یا ح ر م سے بنا ہوا کوئی لفظ کیوں نہ استعمال فرمایا، اس کے لیے دوسری تعبیرات کیوں اختیار فرمائیں۔

بات یہ ہے کہ نفرت دو طرح کی ہوتی ہے طبعی اور مذہبی یعنی بعض چیزوں سے انسان فطری اور طبعی طور پر نفرت کرتا ہے یہ طبعی نفرت کہلاتی ہے اور بعض چیزوں سے طبعی طور پر نفرت نہیں کرتا محض اس لیے نفرت کرتا ہے کہ جس مذہب کا وہ متبع ہے اس نے اس سے منع کیا ہے اور اسے قابل نفرت قرار دیا ہے یہ مذہبی نفرت کہلاتی ہے۔

مثال کے طور پر سور کے گوشت سے مسلمان اس لیے نفرت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام قرار دیا ہے۔ یہ مذہبی نفرت ہے، طبعی نہیں۔ اگر یہ طبعی نفرت ہوتی تو دنیا کا کوئی انسان اسے استعمال نہ کرتا لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سی غیر مسلم قومیں سور کے گوشت کو لذیذ ترین گوشت کے طور پر استعمال کرتی ہیں۔

اس کے خلاف سور کے پیشاب یا اس کے فضلے سے انسان کو طبعی طور پر نفرت ہوتی ہے اس لیے دنیا کا کوئی انسان اس کے پیشاب یا فضلے کو اپنے کھانے پینے میں نہیں لاتا۔

واضح رہے کہ طبعی نفرت مذہبی نفرت کے مقابلے میں بہت شدید ہوتی ہے اسی لیے بعض بدعمل مسلمان بھی سور کا گوشت کھا لیتے ہیں اس لیے کہ اس سے انھیں مذہبی نفرت ہے طبعی نہیں۔ لیکن دوسروں کی طرح کوئی مسلمان بھی سور کا پیشاب یا فضلہ کھانے پینے کے طور پر استعمال میں نہیں لا سکتا کیونکہ ان سے صرف مسلمان کو ہی نہیں ہر انسان کو طبعی نفرت ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اگر شراب کے لیے حرام یا ح ر م سے بنا ہوا کوئی لفظ استعمال فرماتا تو اس کا تقاضا یہ ہوتا کہ شراب سے مسلمان کو مذہبی نفرت ہو جو طبعی نفرت سے بہت خفیف ہوتی ہے۔ اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے شراب جیسی ام الخبائث (تمام خباثتوں کی ماں) کو وہ چیز قرار دیا جن سے طبعی طور پر نفرت ہوتی ہے یعنی انسانی فضلے جیسی گندگی اور محرمات کے ساتھ گھناؤنا شیطانی

عمل۔

ظاہر ہے کہ حرام کہنے کے مقابلے میں شراب کی حرمت کے لیے یہ تعبیر زیادہ شدید اور زیادہ موثر ہے اور اللہ تعالیٰ اس تعبیر کے ذریعے اس طرف متوجہ فرمانا چاہتا ہے کہ شراب سے صرف مذہبی نہیں بلکہ گندگی اور شیطانی عمل سے نفرت کی طرح طبعی نفرت ہونی چاہیئے۔

چوتھے مرحلے پر نازل شدہ دو آیات میں سے دوسری آیت میں یہ ہے جس میں فرمایا گیا کہ شیطان یہ چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تم میں بغض و عداوت ڈال دے اور اللہ کے ذکر اور نماز سے روک دے تو کیا اب بھی تم باز آنے والے ہو؟)

ظاہر ہے کہ بغض و عداوت اور نماز اور ذکر (فرض) کا ترک حرام ہے اور جو چیز حرام کا ذریعہ ہو وہ بھی حرام ہوتی ہے خصوصاً ایسی صورت میں جب کہ آخر میں یہ بھی فرمایا گیا کہ فھل انتم منتھون (کیا تم اب بھی باز آؤ گے؟)

میں نے شروع میں عرض کیا کہ شراب کے لیے قرآن کریم میں لفظ حرام یا اس کے مادے ح ر م سے بنا ہوا کوئی اور لفظ بلا واسطہ صراحتہً استعمال نہیں کیا گیا۔ لیکن اگر قرآن میں غور و فکر کیا جائے تو استنباطی طور پر یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ شراب کو قرآن کریم میں حرام بھی کہا گیا ہے۔

علمائے اصول کے نزدیک یہ امر مسلم ہے کہ شریعت کے احکام مصلحتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ ہر حکم میں کوئی ایک یا متعدد مصلحتیں ہوتی ہیں۔ اگر متعدد ہوں تو ان میں کمی ایک کو جو ظاہر اور منضبط ہو علت قرار دیا جاتا ہے اور حکم اسی علت پر دائر ہوتا ہے۔ یہ علت کبھی منصوص ہوتی ہے یعنی جہاں کوئی حکم دیا گیا وہیں صریح طور پر اس کی علت بھی ذکر کر دی گئی۔

اور کہیں یہ علت مستنبط ہوتی ہے یعنی حکم کے ساتھ علت ذکر نہیں کی جاتی بلکہ علت مجتہد کو خود نکالنی پڑتی ہے۔ مجتہد اس حکم کی تمام ممکنہ مصلحتوں پر غور کرتا ہے اور ان میں سے جس مصلحت میں ظاہر اور منضبط اور مناسب ہونے کی وجہ سے اسے علت بننے کی صلاحیت نظر آتی ہے اسے وہ اپنی رائے میں علت قرار دے دیتا ہے۔

مستنبط علت میں اختلاف کی بڑی گنجائش ہوتی ہے کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ ایک مجتہد نے اپنے غور و فکر سے جسے علت قرار دیا دوسرے مجتہد کا غور و فکر بھی اسے اسی نتیجے پر پہنچائے۔ اس لیے مستنبط علتوں اور ان پر دائر احکام میں مجتہدین کا خاصا اختلاف ہے۔

لیکن علت اگر منصوص ہو کہ حکم کے ساتھ اس کی علت بھی ذکر کر دی گئی ہو تو نہ کوئی عالم اس کے علت ہونے سے انکار کرتا اور نہ اس حکم سے انکار کرتا اور اگر اب کوئی مسئلہ پیش آجائے جس کا حکم معلوم نہ ہو لیکن اس میں منصوص علت پائی جا رہی ہو تو اس مسئلے کا حکم بھی وہی ہوگا جو اس مسئلے کا ہے کہ جس کے ساتھ علت ذکر کر دی گئی ہے۔

مثلاً قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا ویسئلونک عن المحیض قل ھو أذی فاعتزلوا النساء فی المحیض (۲۲۲/۲ البقرہ)

ترجمہ: اور آپ سے حیض کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ وہ گندگی ہے اس لیے تم حیض کے وقت عورتوں سے الگ رہو۔

اس آیت میں حیض کی حالت میں

عورتوں سے ازدواجی تعلق قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے اور اس کی یہ علت بھی بیان کردی گئی کہ یہ گندگی ہے۔

نفاس کا حکم قرآن میں کہیں مذکور نہیں۔ لیکن حیض کی حالت میں ازدواجی تعلق کی جو علت ہے یعنی گندگی وہ نفاس کی حالت میں بھی پائی جارہی ہے (کیونکہ دونوں حالتوں میں خون جاری رہتا ہے) تو جو حکم حیض کا ہے وہی حکم نفاس کا بھی ہوگا اور دونوں حالتوں میں ازدواجی تعلق منع ہوگا۔

اسی اصول کی روشنی میں قرآن کریم کی حسب ذیل دو آیتوں پر غور کیا جائے۔ ایک آیت میں فرمایا گیا: قل لا اجد فی ما اوحی الیّ محرمًا علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃً او دمًا مسفوحًا او لحم خنزیر فانہ رجس الآیۃ (۶/۱۴۵۔ الانعام)

ترجمہ: آپ کہہ دیجئے کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں جو مجھ کو پہنچی کسی چیز کو حرام، کھانے والے پر جو اس کو کھائے مگر یہ کردہ چیز مردار ہو یا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کہ وہ ناپاک ہے۔

اس آیت نے صاف طور پر بتایا کہ سور کا گوشت حرام ہے اور اس کی علت بھی ذکر کردی گئی وہ رجس (گندگی) ہے۔ گویا یہاں حکم کی علت بھی منصوص ہے۔

ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا: انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس (یہ آیت پہلے گزر چکی ہے) اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوسری چیزوں کے ساتھ خمر (شراب) بھی رجس ہے تو جب سور کے گوشت کے حرام ہونے کی منصوص علت (یعنی اس کا رجس ہونا) خمر (شراب) میں بھی پائی جارہی ہے تو جس طرح نفاس کا وہی حکم ہے جو حیض کا ہے اسی طرح جو حکم سور کے گوشت کا ہے کیا وہی شراب کا نہ ہوگا؟ اور کیا شراب بھی علت کے مشترک ہونے کی وجہ سے سور کے گوشت کی طرح حرام نہ ہوگی۔

پھر اگر اللہ تعالیٰ نے شراب کو بلاواسطہ حرام نہیں فرمایا تو بالواسطہ تو حرام قرار دے دیا اور بات خواہ بلاواسطہ کہی جائے یا بالواسطہ نتیجے کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔

دو آیتوں کو ملا کر نتیجہ نکالنے کا اصول ملحوظ رکھتے ہوئے عجب ذیل دو آیتیں بھی قابل غور ہیں۔

ایک جگہ فرمایا گیا: ویسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر اور آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجئے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے۔ (۲/۲۱۹ البقرہ)

دوسری جگہ فرمایا گیا قل انما حرم ربی الفواحش ما ظھر منھا وما بطن والاثم الایۃ (آپ کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حرام کیا ہے بے حیائی کی باتوں کو جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں اور گناہ کو)

ان دونوں آیتوں کے مضمون کو اگر ہم منطقی قیاس کی شکل اول کے طور پر مرتب کریں تو اس کے دونوں مقدموں (صغریٰ اور کبریٰ) اور نتیجہ کی صورت یہ ہوگی۔

۱۔ شراب گناہ ہے (یہ پہلی آیت سے معلوم ہوا جو پہلا مقدمہ (صغریٰ) ہے۔

۲۔ ہر گناہ حرام ہے (یہ دوسری آیت سے معلوم ہوا جو دوسرا مقدمہ (کبریٰ) ہے۔

۳۔ لہٰذا شراب حرام ہے (یہ نتیجہ ہوا جو خط کشیدہ الفاظ (حد اوسط)

(باقی صفحہ ۱۳ پر)

پروفیسر محمد اجتباء ندوی

امام محمد بن ادریس شافعی

اسلام کا یہ معجزہ ہے کہ اس کا کوئی دور کسی بڑی شخصیت، مفکر، داعی، فقیہ اور عالم سے خالی نہ رہا سب نے علم و عمل کے ذخیرہ میں اضافہ کیا اور مسلم دانشوری کو اپنے افکار و آراء اور خیالات و نظریات سے مالامال کیا اور مسلمان ہر زمانہ میں ان کے علم و فکر سے استفادہ کرتے رہے۔ انھیں دانشوران اسلام میں سے ایک غیر معمولی شخصیت امام شافعی کی تھی جنھوں نے اپنی بے پایاں کاوشوں اور اعلیٰ درجہ کی ذہانت اور نکتہ رسی سے ایک فقہی مسلک کی بنیاد ڈالی۔

آپ کا اسم گرامی محمد، والد کا نام ادریس بن عباس شافعی تھا، کنیت ابو عبداللہ اور قبیلہ قریش کی شاخ بنو مطلب سے نسبی تعلق تھا۔ والدہ محترمہ یمن کے مشہور قبیلہ بنو زاد سے تعلق رکھتی تھیں۔ فلسطین کے شہر غزہ میں ۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے پیدائش کے کچھ ہی دنوں کے بعد والد کا انتقال ہوگیا۔ والدہ نے ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت کے خیال سے اپنے گھرانہ کے پاس مکہ مکرمہ واپس آجانا مناسب خیال کیا۔ یہاں انتہائی عسرت تنگدستی غربت اور یتیمی میں زندگی بسر کرنے لگے مگر والدہ محترمہ نے انتہائی ہمت و حوصلہ کے ساتھ بڑی اچھی تربیت کی، اعلیٰ اخلاق اور نیک سیرت اختیار کرنے کے لیے بڑی نگرانی کی۔ اللہ تعالیٰ نے امام شافعی کو غیر معمولی ذہانت، محنت، جفاکشی، دوراندیشی اور بصیرت عطا کی تھی۔ بچپن ہی میں قرآن مجید حفظ کرلیا اور مکہ مکرمہ کے علمائے حدیث سے حدیث کی روایت اور کتابت شروع کی، حافظہ پر اعتماد زیادہ کیا۔ لکھنے کی ضرورت پیش آئی تو کسی کھال کے ٹکڑے پر لکھ لیا اگر مزید ضرورت پڑی تو سرکاری دفتر جاکر لکھے ہوئے بیکار کاغذ مانگ لاتے اور اس کی پشت پر حدیثیں نوٹ کرلیتے۔ امام شافعی نے علم حدیث کے ساتھ ساتھ عربی زبان درست اور صحیح لب و لہجہ میں سیکھنے کا اہتمام کیا اس کے لیے انھوں نے صحرائی علاقوں میں جاکر قبیلہ بنو ہذیل کے ساتھ رہائش اختیار کی۔ خود فرماتے ہیں:

"میں مکہ سے روانہ ہوا، صحرا میں جاکر قبیلہ ہذیل کی صحبت اختیار کی، اس کی زبان اور بود و باش سیکھی کیونکہ یہ قبیلہ عربوں میں سب سے زیادہ فصیح و بلیغ تھا ان کے ساتھ سفر و حضر میں رہتا تھا مکہ مکرمہ واپس آیا تو اشعار و ادب اور خبریں بیان کیں۔" صحرا میں زبان و ادب کے ساتھ تیر اندازی بھی سیکھی

نشانہ کبھی خطا نہیں ہوتا تھا مکہ مکرمہ واپس آنے کے بعد علماء و محدثین کے حلقوں میں حاضر ہونے لگے۔ خاص طور سے اپنے استاد مسلم بن خالد زنجی سے مسائل و فتویٰ کی مشق کی۔ تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مسلم بن خالد نے کہا "ابو عبداللہ! اب فتویٰ دینا شروع کر دو، تم فتویٰ دینے کے اہل ہو چکے ہو۔" لیکن امام شافعیؒ نے ابھی طالب علم ہی رہنا پسند کیا۔ اسی اثنا امام مالک کے علم و تفقہ کی خبر پہنچی، ان کی کتاب "موطا" کی دھوم مچی ہوئی تھی۔ مکہ مکرمہ کے ایک عالم سے موطا مستعار لے کر پڑھی اور زبانی یاد کر لی۔ پھر امام مالک سے استفادہ کے لیے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔ مفلسی کی وجہ سے سفر بڑا دشوار گزرا۔ امام مالک نے دیکھتے ہی اپنی چشم بصیرت سے پہچان لیا۔ فرمایا "اے محمد! خدا کا تقویٰ اختیار کرو اور گناہوں سے احتراز کرو۔ تم ایک عظیم الشان مرتبہ پر فائز ہو گے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کو نور سے بھر دیا ہے اسے گناہ کے ذریعہ خالی نہ کر دینا۔" امام مالک نے انھیں موطا پڑھنے کی اجازت دے دی، بیان کرتے ہیں:

"صبح سویرے امام مالک کی مجلس میں پہنچ گیا اور موطا زبانی پڑھنی شروع کی حالانکہ کتاب میرے ہاتھ میں تھی جب مجھے خیال آیا کہ اب امام مالک تھک گئے ہوں گے تو پڑھنا روکنا چاہا۔ انھیں میرا پڑھنا اور صحیح عبارت خوانی اتنی پسند آئی کہ فرمایا: اے نوجوان! اور پڑھ چنانچہ میں نے چند روز میں موطا ختم کر لی۔"

اس کے بعد امام شافعی، امام مالک کی وفات ۱۷۹ھ تک ان کے ساتھ رہ کر فتویٰ مسائل اور استدلال و استنتاج کا علم سیکھتے رہے۔ امام مالک کی وفات کے بعد انھیں کسی کام یا ملازمت کا خیال آیا۔ تاکہ مناسب طور سے گزر بسر ہو سکے۔ نجران کے گورنر سے مدینہ منورہ میں ملاقات ہو گئی وہ اپنے ساتھ امام شافعی کو نجران لے گئے اور وہاں قاضی مقرر کر دیا۔ بہت انصاف، عدل اور جرات کے ساتھ فرائض منصبی ادا کیے۔ گورنر کے ساتھ بھی کوئی رعایت نہیں کی۔ اس کے بعض ظالمانہ اقدامات پر سخت تنقید کی اور اس کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس نے غضبناک ہو کر ان پر بغاوت کا الزام لگا دیا اور خلیفہ ہارون رشید کے پاس کارروائی کے لیے بغداد بھیج دیا۔ اس وقت امام محمد بن حسن منصب قضا پر فائز تھے ان کی سفارش سے بری قرار دیے گئے، امام شافعی، امام محمد کے علم و تفقہ سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ان کی شاگردی اختیار کر لی اور عراقی مکتب فقہ میں گہرائی اور بصیرت حاصل کی۔ وہاں سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ واپس آئے اور حرم مکی میں نو برس تک درس دیا۔ اسی دوران امام احمد بن حنبل مکہ مکرمہ آئے اور ان سے استفادہ کیا امام احمد ان سے اس قدر متاثر ہوئے کہ ہمہ وقت سایہ کی طرح ان کے ساتھ رہتے۔ امام شافعی جب ۱۹۵ھ میں بغداد گئے، تو امام احمد بن حنبل نے ان کا بڑا اعزاز کیا اور ان کے علم و فقہی مسلک کی ترویج و اشاعت میں نمایاں حصہ لیا۔ امام شافعی بھی ان سے بڑی محبت کرتے تھے۔ امام شافعی بغداد سے ۱۹۹ھ میں مصر روانہ ہوئے اور وہاں مستقل سکونت اختیار کر لی مصر میں انھیں کام کے مواقع اور بڑی محبوبیت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے رزق کے دروازے کھول دیے اور آخری عمر میں آرام

میسر آیا۔ جب مصر روانہ ہونے کا ارادہ کیا تو ایک شعر ان کی زبان پر تھا جس کا ترجمہ پیش ہے۔

"میرے دل کو مصر تڑپا رہا ہے اور بے تاب کیے ہوئے ہے حالانکہ وہاں پہنچنے میں بڑے دشوار گزار صحرا اور میدان حائل ہیں۔ خدا کی قسم! مجھے یہ نہیں معلوم کہ مصر کے لیے میری یہ تڑپ کامرانی اور دولت کے لیے ہے یا میں اپنی قبر کی جانب روانہ ہو رہا ہوں۔"

مصر میں امام شافعی کو مزید تجربات، نئے حالات، جدید مسائل کا سامنا ہوا جس کے نتیجہ میں ان کے غور و فکر اور فقہی استنتاج و استخراج مسائل میں بڑی تبدیلی رونما ہوئی اور ایک جدید فقہی مسلک کی بنا پڑی۔ اسی وجہ سے امام شافعی کے دو فقہی مسلکوں کی روایت پائی جاتی ہے۔

ایک قدیم مسلک جو مصر جانے سے قبل مرتب ہوا دوسرا جدید مسلک جس کی ترتیب مصر آنے کے بعد دی گئی اور اسی جدید مسلک ہی کو رواج عام حاصل ہوا اور مصر میں اسے ہمیشہ اہمیت حاصل رہی مصر میں امام شافعی نے بڑی مستقل مزاجی اور اطمینان کے ساتھ تصنیف و تالیف اور درس و تدریس کی خدمت انجام دی ان کی فکری و علمی گہرائی اور شعر و ادب کے وسیع مطالعہ و معرفت نے بڑا فیض پہنچایا وہ فرمایا کرتے تھے کہ جس نے قرآن پاک کا علم حاصل کیا اس کو عظمت و اہمیت حاصل ہو گی اور جس نے حدیث سیکھی اس کا استدلال قوی و طاقتور ہو گا جس نے علم فقہ میں کمال پیدا کیا اس کو قدر و منزلت حاصل ہو گی اور جس نے زبان و ادب میں مہارت پیدا کی اس کا مزاج لطیف اور ذوق اعلیٰ و ستھرا ہو گا اور جسے حساب کا علم ملا اس کی رائے میں وزن پیدا ہو گا اور جس نے اپنی آبرو نہ بچائی تو اس کا علم اسے کام نہ آئے گا۔

امام شافعیؒ کے اس گرانقدر نظریہ، اعلیٰ ذوق، گہری بصیرت اور عظیم خدمات نے انھیں اعلیٰ مقام اور عظیم مقبولیت عطا کی۔ مصر میں ان کے حلقہ درس کا نظام کچھ اس انداز سے تھا۔ فجر کی نماز کے بعد کی مجلس میں قرآن پاک کا درس ہوتا تھا۔ سورج نکلتے ہی حدیث پڑھنے والے طلبہ آجاتے تھے۔ حدیث اور اس سے متعلق علوم کا درس ہوتا تھا۔ سورج کچھ بلندی پر آجاتا تو یہ طلبہ چلے جاتے پھر فقہ اور اس کے علوم حاصل کرنے والے آتے اور مسائل پر غور و فکر اور بحث و مذاکرہ ہوتا۔ چاشت کے بعد یہ لوگ واپس ہوتے اور عربی زبان و ادب اور نحو و عروض پڑھنے والے طلبہ حلقہ درس میں شامل ہوتے اور یہ درس دوپہر تک جاری رہتا۔

امام شافعی نے مسلمانوں کے علمی ذخیرہ میں دو اہم اور قیمتی کتابوں کا اضافہ فرمایا دونوں اپنے اپنے موضوع پر بے مثال ہیں۔ پہلی کتاب "الرسالہ" کے نام سے ہے مصر آنے سے پہلے عبدالرحمان بن مہدی کے لیے یہ رسالہ تصنیف کیا تھا اور مصر آنے کے بعد اس پر نظر ثانی کر کے رواج عام دیا۔ یہ رسالہ علم اصول الفقہ سے متعلق ہے۔ اس میں فقہ کے قواعد و ضوابط اور طریقہ استنباط پر بحث کی ہے امام شافعی پہلے عالم ہیں کہ جنھوں نے اصول فقہ مرتب کیے اور علمائے مجتہدین کے لیے آسانی و سہولت فراہم کر دی۔

دوسری کتاب "الام" ہے اس

(باقی صفحہ 16 پر)

منور سلطان

مصائب کی یورش میں صبر کی چارہ گری

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "دنیا آخرت کی کھیتی ہے" اس لیے ہمیں اس مختصر سی زندگی میں مختلف مرحلوں سے گزرنا پڑتا ہے کبھی ہمیں نعمتوں سے نواز کر شکر گزاری کا امتحان لیا جاتا ہے تو کبھی مصائب و آلام میں ڈال کر ہمارے صبر و توکل کو آزمایا جاتا ہے کبھی پھول سا بچہ عطا کر کے قدرت ہمیں محبت کرنا سکھاتی ہے اور پھر کبھی اسے ہماری نظروں سے دور کر کے ہمیں آہ و فغاں کے بجائے ضبط کی تعلیم دیتی ہے کبھی دشوار گزار گھاٹیوں سے سابقہ پڑتا ہے تو پھر کبھی شادمانی کی محفلیں نصیب ہوتی ہیں۔ الغرض پوری دنیا ہر آن ہر لمحہ ترقی کرتی رہتی ہے اور اس مکان کے مکین عروج و زوال، ترقی و تنزلی، عزت و ذلت اور سرور و غم کے وسیع سمندر میں ہچکولے کھاتے رہتے ہیں۔

یہ اس صناع عالم کی بہت بڑی حکمت ہے اگر ایسا نہ ہوتو دنیا کا سارا کاروبار ٹھپ پڑ جائے گا۔ دنیا کا ہر نظام معطل ہو جائے گا اس کی دلکشی و رعنائی ماند پڑ جائے گی اور انسانوں کا سفینہ حیات گرداب و بھنور میں پھنس کر چکنا چور ہو جائیگا چونکہ اس وقت اہل ثروت کو ثروت کی فراوانی و ناشکری اور ظلم و زیادتی کا راستہ دکھائے گی اور غریب و ناتواں امیدوں کے چراغ بجھ کر نا امیدی کے شکار ہو جائیں گے پھر کوئی سراپا غم کی تصویر ہوگا اور کوئی مست و بیخود کوئی فقر کا مجسم اور کوئی قارون زمانہ۔

یہی وجہ ہے کہ اس ختم ہونے والی دنیا میں کسی کو بھی عروج دوام اور مسرت حاصل نہیں ہے بلکہ یہاں خوشی و مسرت کے بعد غم و اندوہ کی باری آتی ہے اور عزت و شرف کا سورج بھی غروب ہو کر زوال کا مژدہ سنا دیتا ہے گویا حیات انسانی خوشی و مسرت اور رنج و الم سے عبارت ہے اس وادی میں پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی اس گلشن میں شادمانی کے ترانے بھی گائے جاتے ہیں اور مرثیہ خوانی بھی ہوتی ہے۔

ہنسی کے ساتھیاں روزانہ ہے مثل قلقل مینا
کسی نے قہقہہ لے بے خبر مارا تو کیا مارا

چنانچہ اس فطرت انسانی کے پیش نظر قرآن نے اپنا بے لاگ اصول بھی بتلا دیا جو رہتی دنیا تک انسانوں کے لیے راہ ہدایت اور ذریعہ نجات ہے ارشاد باری ہے لان شکرتم لازیدنکم اگر تم شکر گزار بنو گے تو ہم تمہیں اور زیادہ عطا کریں گے یعنی جو نعمتیں ہم نے تم کو دی ہیں اور جس طرح تم پر انعام و اکرام کیا ہے اور جن جن خدائی سرچشموں سے تم فیضیاب ہو رہے ہو اس کا صحیح حق تو یہ ہے کہ تم اپنے پروردگار کا شکر ادا کرو اور صرف اسی کے گن گایا کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو ہم تمہیں اور زیادہ عطا کریں گے۔

لیکن جب تمہیں مصیبتوں کا سامنا ہو، تم کسی آفت کا شکار ہو جاؤ تو صبر کا دامن نہ چھوڑنا۔ اپنے پائے استقامت کو لرزہ براندام نہ ہونے دینا۔ چونکہ مصائب کی یورش میں صبر کی چارہ گری ہی کام آتی ہے اور یہی نسخہ کیمیا ہے ان نیک بندوں کے لیے جنہیں خدا کسی مصیبت سے دوچار کر کے آزماتا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد ہے:

" ولنبلونکم بشیئ من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون

(بقرہ ع ۔۔۔)

یعنی ہم صفت تسلیم و رضا میں جو کہ ایمان کا تقاضا ہے تمہارا امتحان لیں گے کسی قدر خوف سے (جو کہ ہجوم مخالف اور نزول حوادث و مصائب سے پیش آتے ہیں) اور کسی قدر فقر و فاقہ سے اور کسی قدر مال و جان اور پھلوں کی کمی سے مثلاً مویشی مر گئے، یا کوئی آدمی مر گیا یا بیمار ہو گیا یا پھل

و پیداوار ضائع ہو گئی لہٰذا تم صبر کرنا اور جو لوگ اس امتحانوں میں پورے اتر آویں اور جمے رہیں اور ایسے صابرین کے لیے بشارت ہے جن کی عادت یہ ہے کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ دل سے یوں کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارا مال و اولاد حقیقتاً اللہ ہی کی ملکیت ہے۔ لہٰذا مالک حقیقی کو اپنی اس میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہے اس سے تنگ دل ہونا کیا معنی۔ اور ہم سب اس دنیا سے اللہ کے پاس جانے والے ہیں سو یہاں کے نقصانوں کا بدلہ وہاں جا کر ضرور ملے گا۔

حضرت مولانا شفیع رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا امتحان ہوتا ہے اس کی حقیقت آیت واذا ابتلی ابراھیم سے واضح ہے اور حوادث کے واقع ہونے سے پہلے ان کی خبر دے دینے میں یہ فائدہ ہوا کہ صبر آسان ہو جاتا ہے ورنہ دفعتاً کوئی صدمہ پڑنے سے زیادہ پریشانی ہوتی ہے اور یہ خطاب ساری امت کو ہے تو سب کو سمجھ لینا چاہیئے کہ دنیا دار المحن ہے یعنی محنتوں اور مشقتوں کی جگہ ہے اس لیے یہاں کے حوادث کو عجیب اور بعید نہ سمجھا جائے تو بے صبری نہ ہوگی اور چونکہ یہ لوگ نفس عمل میں سب مشترک ہیں اس لیے اس کا صلہ تو مشترک عام رحمت ہے جو نفس صبر پر موعود ہے اور چونکہ مقدار اور شان اور خصوصیت ہر صابر کے صبر کی جدا ہے اس لیے ان خصوصیات کا صلہ جدا جدا خاص عنایتوں سے ہوگا جو ان خاص خصوصیات پر موعود ہیں جیسے دنیا میں مواقع انعام پر دعوت طعام تو عام ہوتی ہے پھر روپے اور جوڑے ہر ایک کو اس کی حیثیت و خدمت کے مطابق دیے جاتے ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون کی تشریح کرتے ہوئے مولانا عبدالماجد دریابادی اپنے مخصوص ادبی انداز میں رقمطراز ہیں:

"اس آیت کے اندر تعلیم تین چیزوں کی ملی۔ ایک یہ کہ ہم سب عبد محض ہیں اور تمام تر اسی کی ملک، ہم خود بھی اور ہماری ہر چیز بھی، اپنی کوئی شے نہیں نہ بیوی نہ بچے، نہ مال نہ جائداد، نہ وطن نہ خاندان، نہ جسم نہ جان ہے

جو کچھ ہے سب خدا کا وہم و گماں ہمارا
(اکبر)

انسان کے سارے رنج و الم

ذرد و حسرت کی بنیاد صرف اس قدر ہوتی ہے کہ وہ اپنی پسندیدہ چیز کو اپنی سمجھتا ہے لیکن جب ذہن اس خام مغالطہ سے خالی ہو گیا اور کوئی بھی شے سرے سے اپنی رہی ہی نہیں تو اب ان محبوبات نالوفات، مرغوبات چھن جانے پر گلہ و شکوہ اور رنج و ملال کا موقع ہی کیا۔

دوسری بات یہ کہ بڑے رنج اور صدمے اور دل کے داغ بھی عارضی اور فانی ہیں۔ رہ جانے والی کوئی چیز بھی نہیں، عنقریب انھیں چھوڑ چھاڑ کر مالک کی خدمت میں حاضری دینا ہے اور تیسرے یہ کہ وہاں پہنچتے ہی سارے قرضے بے باق ہو جائیں گے اور ہر کھوئی ہوئی چیز وصول ہو کر رہے گی۔

یہ تینوں عقیدے جتنے زیادہ مضبوط ہوں گے اسی قدر اس کے دل کو دنیا میں امن و سکون حاصل رہے گا۔ غم و خون کے بار کو ہلکا کرنے کا یہ تیر بہ ہدف نسخہ بتایا گیا ہے بلکہ حق یہ ہے کہ قرآن کریم میں اگر صرف یہی ایک آیت ہوتی تو اسے حکیم مطلق کا کلام ثابت کرنے کے لیے واللہ کافی تھی۔

آیت مذکورہ میں بشارت کی تشریح کرتے ہوئے قرآن مزید کہتا ہے کہ

اولئك عليهم صلوات من ربهم ورحمة واولئك هم المفلحون۔ یعنی جو مضمون بشارت کا سنایا جائے گا وہ یہ ہے کہ ان لوگوں پر خاص خاص رحمتیں بھی پروردگار کی طرف سے نازل ہوں گی اور سب پر بالاشتراک عام رحمت بھی ہو گی اور یہی لوگ ہیں جن کی حقیقت حال تک رسائی ہو گی کہ حق تعالیٰ کو ہر چیز کا مالک اور نقصان کا تدارک کر دینے والا سمجھ گئے۔

مشہور مفسر قرآن علامہ شہاب الدین آلوسیؒ اس کی تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں "اولئك هم الفائزون بمطابهم الدينية والدنيوية فان من نال تزكية الله ورحمته لم يفته مطلب" یعنی دنیا و آخرت کی ہر مراد یں اور ہر خواہشیں ان کی پوری ہو جائیں گی اور جس نے اللہ کی رحمت عام و خاصہ کو پا لیا اس سے دنیا و آخرت کی بچی ہی کون سی نعمت

(روح المعانی)

مصائب پر صبر کرنے والوں کو قیامت کے دن جو اجر عظیم عطا ہو گا اور جس طرح وہ نوازے جائیں گے اس کا ذکر کرتے ہوئے قرآن گویا ہے:۔

انما يوفى الصابرون اجرهم بغير حساب۔ کہ صبر کرنے والوں کو بغیر کسی حساب و کتاب کے نوازا جائے گا مطلب یہ ہے کہ صبر کرنے والوں کو جو ثواب ملے گا وہ کسی پیمانہ سے ناپ تول کر نہیں بلکہ بے حد و حساب انھیں عطا کیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت قتادہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "قیامت کے دن میزان عدل قائم کی جائے گی، اہل صدقہ آئیں گے تو ان کے صدقات کو تول کر اس کے حساب سے پورا پورا اجر دیا جائے گا اسی طرح نماز اور حج وغیرہ عبادات والوں کی عبادت کو تول کر حساب سے اس کا اجر پورا دیا جائے گا پھر جب بلا اور مصیبت میں صبر کرنے والے آئیں گے تو ان کے لیے کوئی کیل اور وزن نہ ہو گا بلکہ بغیر حساب و اندازہ کے ان کی طرف اجر و ثواب بہا دیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے" انما يوفى الصابرون بغير حساب یہاں تک کہ وہ لوگ جن کی دنیاوی زندگی عافیت میں گزری تمنا کرنے لگیں گے کہ کاش دنیا میں ان کے بدلے قینچیوں کے ذریعہ کاٹے گئے ہوتے تو ہمیں بھی صبر کا ایسا ہی صلہ ملتا (الحدیث)

(باقی صفحہ ۳۹ پر)

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق

لیڈی بارنس

(انگلستان)

اس واقعے کی روایت علامہ اقبالؒ نے کی ہے۔ یہ بصیرت افروز داستان علامہ مرحوم کی فرمائش پر لکھی جانے والی کتاب "اسلام زندہ باد" میں چھپی تھی اور وہیں سے نقل کی جا رہی ہے۔

حکیم الامت علامہ اقبال نے بیان فرمایا:

مسٹر داؤد آپس کی طرح لیڈی بارنس کا قبول اسلام بھی اپنے اندر عجب کے کئی پہلو رکھتا ہے۔ آپ ایک نو مسلم فوجی انگریز کی بیوی تھیں۔ چند سال کا ذکر ہے یہ دونوں میاں بیوی ایک مقدمے میں ملوث ہو کر میرے پاس آئے چونکہ الزامات سراسر جھوٹے تھے اس لیے عدالت نے انھیں باعزت بری کر دیا۔ چونکہ وکالت کے فرائض میں نے انجام دیے تھے اس لیے چند روز بعد لیڈی بارنس میرا شکریہ ادا کرنے کے لیے لاہور تشریف لائیں اس وقت میں نے سوال کیا۔ لیڈی صاحبہ! آپ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے اسباب کیا ہیں؟

"مسلمانوں کے ایمان کی پختگی ڈاکٹر صاحب" لیڈی موصوف نے جواب دیا اور وضاحت میں ایک واقعہ سنایا۔

ڈاکٹر صاحب! میں نے دیکھا ہے کہ دنیا بھر میں کوئی بھی قوم ایسی نہیں ہے جس کا مسلمانوں کی طرح ایمان پختہ ہو۔ بس اسی چیز نے مجھے اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا۔" لیڈی بارنس نے تھوڑا سا تامل فرمایا اور کہا ڈاکٹر صاحب! میں ایک ہوٹل کی مالکہ ہوں۔ میرے ہوٹل میں ایک ستر سالہ بڈھا مسلمان ملازم تھا۔ اس بڈھے کا فرزند نہایت ہی خوبصورت نوجوان تھا۔ ایک وبائی بیماری میں یہ لڑکا چل بسا تو مجھے بے حد صدمہ ہوا۔ میں بڈھے کے پاس تعزیت کے لیے گئی۔ اسے تسلی دی اور دلی رنج و غم کا اظہار کیا۔ بڈھا نہایت غیر متاثر حالت میں میری باتیں سنتا رہا اور جب میں خاموش ہو گئی تو اس نے نہایت شاکرانہ انداز میں آسمان کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا "میم صاحب یہ خدا کی تقدیر ہے خدا کی امانت تھی خدا لے گیا اس میں غمزدہ ہونے کی کیا بات ہے ہمیں تو ہر حالت میں خدائے غفور کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے۔

ڈاکٹر صاحب! بڈھے کا آسمان کی طرف انگلی اٹھانا ہمیشہ کے لیے میرے دل میں پیوست ہو گیا۔ میں بار بار اس کے الفاظ پر غور کرتی تھی اور حیران تھی کہ الٰہی اس دنیا میں اس قسم کے صابر رضا کر اور مطمئن دل بھی موجود ہیں۔ جستجو ہوئی کہ بڈھے نے ایسا تمام دل کیسے پایا؟

اس غرض سے میں نے پوچھا کہ کیا مرحوم کے اہل و عیال بھی ہیں وہ کہنے لگا" ایک بیوی ہے اور ایک چھوٹا بچہ" بڈھے کے اس جواب نے میری حیرت کو کم کر دیا میں نے اس کے اطمینان قلب کی یہ تاویل کی کہ چونکہ پوتا موجود ہے اس واسطے وہ اسکی زندگی اور محبت کا سہارا بنے گا۔

اس واقعہ کو زیادہ مدت نہیں گزری تھی کہ یتیم بچے کی ماں بھی چل بسی اس سے میرے دل کو بہت تکلیف ہوئی۔ بڈھے کی بہو کا غم میری عقل پر چھا گیا۔ تعزیت کے لیے میں اس کے گھر روانہ ہوئی اس وقت جذبات و تخیلات کی ایک دنیا میرے ہمرکاب تھی سوچتی تھی اس تازہ مصیبت نے بڈھے کی کمر توڑ دی ہوگی وہ ہوش و حواس کھو چکا ہوگا۔ یتیم بچے کی کم سنی اسے نڈھال کر رہی ہوگی میں انہی خیالات میں غلطاں بڈھے کے گھر پہنچی تو وہ سر جھکائے لوگوں کے ہجوم میں بیٹھا تھا میں نے اس کی تازہ مصیبت پر افسوس کا اظہار کیا اور اسے اپنی ہمدردی کا یقین دلایا۔ بڈھا میری ہمدردانہ باتیں بڑے غور سے سنتا رہا لیکن اس کے جواب کی نوبت آئی تو اس نے پھر اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور کہا۔ میم صاحب خدا کی رضا میں کوئی بشر دم نہیں مار سکتا اسی کی شے تھی اسی نے لیا ہے ہمیں ہر حال میں اس کا شکریہ ہی ادا کرنا چاہیئے"۔

ڈاکٹر صاحب" لیڈی بارنس نے حد درجہ حیرت کے انداز میں کہا" میں جب تک بڈھے کے پاس بیٹھی رہی نہ اس کے لب سے آہ نکلی نہ آنکھ سے آنسو گرا اور وہ اس طرح اطمینان کی باتیں کرتا تھا گویا اس نے اپنے اکلوتے بیٹے اور بہو کو زمین میں دفن نہیں کیا بلکہ کوئی قرض ادا کیا ہے تھوڑی دیر کے بعد میں واپس لوٹ آئی مگر سارے راستے بڈھے کی پختگی ایمان پر غور کرتی رہی۔ یہ خیال مجھے تنگ کرتا تھا اور حیرت زدہ بھی تھی کہ اس درجہ مصیبت میں کسی انسان کو یہ استقامت اور صبر و شکر کی نعمت کیسے نصیب ہو سکتی ہے۔

شومئی قسمت کہ چند روز بعد بڈھے کا معصوم پوتا بھی وفات پا گیا۔ اس اطلاع کے بعد میں نے اپنی اندازہ شناسی کی تمام قابلیتوں کو نئے سرے سے جمع کیا اور بے قراری کے عالم میں اس کے پاس گاؤں پہنچی۔ مجھے یقین تھا کہ اب لاوارث بڈھا صبر و قرار کھو چکا ہوگا۔ اس کا دل و دماغ معطل ہو چکا ہوگا اور ناامیدی اس کی امید کے تمام رشتے منقطع کر چکی ہوگی مگر یہ دیکھ کر خود میرے حواس جواب دینے لگے کہ بڈھا اسی سکون کی حالت میں ہے جس کا تجربہ میں دو مرتبہ کر چکی تھی۔ میں نے نہایت دل سوزی کے ساتھ اس کے مصائب پر غم کا اظہار کیا وہ سر جھکائے میری باتیں سنتا رہا۔ کبھی کبھی اس کے سینے سے آہوں کی صدا بھی آتی وہ سخت غمگین بھی تھا مگر میرے خاموش ہونے پر اس نے کمال صبر و تحمل سے جواب دیا "میم صاحب! یہ سب خدا کی حکمت کے کھیل ہیں اس نے جو کچھ دیا تھا وہی واپس لے لیا ہے اس میں ہمارا تھا ہی کیا پھر ہم اپنے دل کو برا کیوں کریں۔ بندے کو ہر حال میں خدا کا شکر گزار ہونا چاہیئے ہم انسانوں کو بھی حکم ہے کہ اللہ کی رضا پر صبر کریں"۔

لیڈی بارنس درد دل کی کیفیتوں سے لبریز تھی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ اٹھایا اور رندھی ہوئی آواز میں کہا۔ ڈاکٹر صاحب! بڈھے کا یہ جواب میرے لیے قتل کا پیغام تھا اس کی انگلی آسمان کی طرف اٹھی ہوئی تھی مگر نشتر بن کر میرے دل میں اتر گئی تھی۔ میں نے اس مرد ضعیف کی پختگی ایمان کے سامنے ہمیشہ کے لیے سر جھکا دیا ہے

یقین حاصل ہو گیا کہ بڈھے کا یہ اطمینان قلب مصنوعی نہیں حقیقی ہے اب وہ گاؤں میں اکیلا تھا میں نے اسے اپنے ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ اس نے شکریہ ادا کیا اور بے تکلف میرے ساتھ ہوٹل میں چلا آیا۔ یہاں وہ دن بھر ہوٹل کی خدمت کرتا اور رات کو خدا کی یاد میں مصروف ہو جاتا۔

کچھ عرصے کے بعد ایک روز بڈھے نے قبرستان جانے کا ارادہ کیا۔ تجسس کا جذبہ مجھے بھی اس کے ساتھ لے گیا میں دیکھنا چاہتی تھی کہ اب اس کے جذبات کیا صورت اختیار کرتے ہیں قبرستان میں پہنچ کر وہ شکستہ قبروں کو درست کرنے لگا۔ وہ مٹی کھود کھود کر لاتا اور قبروں پر ڈالتا۔ پھر وہ پانی لے آیا اور قبروں پر چھڑکاؤ کرنے لگا اس کے بعد اس نے وضو کیا ہاتھ اٹھائے اور اہل قبرستان کے حق میں دعا کر کے واپس چل دیا۔ میں نے اس تمام عرصے میں نہایت احتیاط سے اس کی حرکات و سکنات کا جائزہ لیا اور محسوس کیا کہ اس کے ہر کام میں اطمینان کا نور اور ایمان کی پختگی جلوہ گر ہے میرے دل میں وہ چنگاری جو ایک مدت سے آہستہ آہستہ سلگ رہی تھی یکایک بھڑک اٹھی۔ مجھے یقین ہو گیا کہ یہ بڈھے کی خوبی نہیں بلکہ اس دین حق کا کمال ہے جس کا یہ بڈھا پیرو ہے۔ میں نے اسی وقت مسلمان ہونے کا حتمی فیصلہ کر لیا اور ہوٹل میں پہنچ کر اس سے کہا کہ وہ کوئی ایسی مسلمان عورت بتلائے جو مجھے اسلامی تعلیم دے۔ بڈھا فی الفور اٹھا اور اپنے ملا کی لڑکی کو بلا لایا۔ اس نے مجھے خدا اور رسول پر ایمان لانے کی ترغیب دی اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا سبق سکھایا۔

"ڈاکٹر صاحب" لیڈی بارنس نے روح پرور لہجے میں کہا" اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمان ہوں اور وہی عظیم الشان قوت ایمان جس سے بڈھے کا دل سرشار تھا اپنے سینے میں موجود پاتی ہوں"۔

بقیہ: مصائب کی

کتنی بڑی فضیلت ہے مصائب پر صبر کرنے والوں کے لیے کہ اس چند روزہ زندگی کے مصائب کو بخوشی برداشت کر لینے سے آخرت میں اتنا بڑا مقام حاصل ہوتا ہے اور قیامت کے دن بے حد و حساب اجر و ثواب سے بھی نوازا جاتا ہے لیکن خلاق عالم کی رحمانیت نے اس پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ صبر کرنے والوں کی ایک تاریخ بنا دی اور انھیں اتنا سرفراز کیا اور ایسے ایسے نعم البدل عطا فرمائے کہ دنیا حیران و ششدر رہ گئی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے مصائب کو دیکھ کر چشم فلک بھی رنجیدہ تھی لیکن صبر کے نتیجے میں انھیں جو بلند مرتبہ اور عالی مقام حاصل ہوا اس نے رنجیدگی کو شادمانی سے بدل دیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ بھائیوں کی رقابت پر ماہ و انجم بھی ماتم کناں بنے ہوئے تھے۔ لیکن صبر کے نتیجے میں جو سرفرازیاں حاصل ہوئیں قرآن نے ہمیشہ کے لیے اسے زندہ و جاوید بنا دیا۔ الغرض دنیا میں جو بھی مشکلات کے شکار ہوتے ہیں اور اس پر صبر کر لیتے ہیں انھیں یہاں بھی نعم البدل میسر ہوتا ہے اور آخرت میں تو بے حد و حساب اجر ملے گا ہی۔